رہنمائے اساتذہ

کیمبرج او لیول سیکنڈ لینگویج

اُردو

بتول علی

دوسرا ایڈیشن

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس

تعارف

کیمبرج او لیول سیکنڈ لینگویج اُردو (سلیبس 3248) کی درسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن وسیع ترامیم اور تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہوچکا ہے۔ ان تبدیلیوں کے پیشِ نظر رہنمائے اساتذہ کی ضرورت تھی ، جسے اب پورا کیا جا رہا ہے۔ کتاب کی نئی تشکیل و ترتیب کا سلسلہ اس رہنما میں برقرار رکھا گیا ہے۔ اُردو بحیثیت ثانوی زبان کے نصاب ، امتحان کی ضرورت اور ہدایات کے پیشِ نظر یہ درسی کتاب اور رہنمائے اساتذہ تشکیل دی گئی ہیں۔ تاہم درسی کتاب اور اس رہنما کا مقصد محض امتحان میں کامیابی ہی نہیں ، بلکہ اُردو زبان کی خدمت بھی ہے۔

رہنمائے اساتذہ بھی کتاب کے چھ حصّوں اور ان میں دیے گئے عنوانات کے مطابق تیار کی گئی ہے۔ حصّہ اوّل ''تفہیم'' میں ، دی گئی عبارتوں سے متعلق سوالات کے ممکنہ جوابات کے لیے نکات دیے گئے ہیں۔ چند ایسے سوال بھی شامل ہیں جن کے لیے طلبا استاد کی رہنمائی میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں یا مِل جُل کر جواب تیار کر سکتے ہیں۔

حصّہ دوم ''تلخیص'' میں ، امتحانی پرچے کے مطابق عبارتوں کی تلخیص دی گئی ہے۔ تلخیص کی مشق ایک ضروری عمل ہے۔ کتاب میں دی گئی ۳۰ عبارتوں کے علاوہ تفہیم کے اقتباسات بھی تلخیص کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ تلخیص کے لیے کارآمد نکات اور بطورِ مثال خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

حصّہ سوم ''مضمون نویسی'' ہے۔ نصاب کے مطابق مختلف عنوانات پر مضمون لکھنے کے لیے درسی کتاب میں دی گئی ہدایات اور نکات کے علاوہ اس رہنما میں مزید مشق دی گئی ہے تاکہ اساتذہ کے لیے تدریس اور امتحان کی تیاری میں مددگار ثابت ہو۔

حصّہ چہارم ''خط ، رپورٹ ، مکالمہ اور تقریر نگاری'' پر مشتمل ہے۔ درسی کتاب میں اسے مثالوں اور اہم نکات کے ساتھ سمجھایا گیا ہے اور اس رہنما میں اس پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

حصّہ پنجم ''ترجمہ نویسی'' اُردو کے نصاب کا ایک اہم جزو ہے۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی بات ، مضمون ، ہدایات ، وغیرہ کا درست ترجمہ ، ترجمہ کرنے والے کی قابلیت اور دونوں زبانوں پر عبور کو ظاہر کرتا ہے۔

حصّہ ششم ، ''زبان کا استعمال'' یعنی قواعد اور الفاظ کے درست انتخاب پر عبور حاصل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے جس کے لیے مشق ضروری ہے۔ اس حصے میں نامکمل عبارتیں (Cloze passages) ، حسبِ ہدایت جملوں کی ساخت میں تبدیلی ، اور محاورات کا درست استعمال شامل ہیں۔ اسی حصّے میں قواعد کے لیے مزید مشق دی گئی ہے۔

کتاب اور رہنما کے ہر حصّے کے ساتھ امتحانی پرچوں کی متعلقہ مثالیں شامل ہیں ، ان کا مقصد طلبا اور اساتذہ دونوں کے لیے مشق کے مراحل کو آسان کرنا ہے۔ واضح رہے کہ امتحانی ادارے کے کسی بھی پرچے یا عبارت کی نقل نہیں کی گئی ہے بلکہ تمام مواد مصنفہ کا تیار کردہ ہے۔ ایک بار پھر اعادہ کرنا چاہوں گی کہ اس کاوش کا مقصد صرف امتحان کی تیاری نہیں ، بلکہ اوّلین مقصد اُردو زبان کو زندہ رکھنا ، اس میں طلبا کی دلچسپی پیدا کرنا اور زبان پر عبور حاصل کرنے میں مددگار ہونا ہے۔

بتول علی

فہرست

حصّہ اوّل : تفہیم (Comprhension) ۱

حصّہ دوم : تلخیص (Summary).. ۴۵

حصّہ سوم : مضمون نویسی (Directed Writing) ۴۶

حصّہ چہارم : خط ، رپورٹ ، مکالمہ اور تقریر نگاری (Letter, Report, Dialogue or Speech) ۴۹

حصّہ پنجم : ترجمہ نویسی (Translation).. ۵۱

حصّہ ششم : زبان کا استعمال (Language Usage) ۵۴

امتحانی پرچے کا نمونہ ۵۷

حصّہ اوّل : تفہیم

اقتباس نمبر ا : ڈائری۔شخصیت کی کسوٹی

ڈائری لکھنا ایک دلچسپ مشغلہ ہے اور اس کے کئی فوائد ہیں۔ یہ عبارت اسی مشغلے کے بعض پہلوؤں سے متعلق ہے۔

ا۔ اس سوال کا جواب مضمون کی تلخیص اور پڑھنے والے کی رائے ، دونوں پر مبنی ہو سکتا ہے۔ کچھ اہم نکات یوں ہیں :

(i) روزمرہ کے اہم یا دلچسپ واقعات

(ii) اظہارِ خیال و رائے

(iii) سماجی ، سیاسی ، تاریخی واقعات کو قلم بند کرنا

(iv) ہر لکھنے والے/ والی کے منفرد خیال اور طرزِ تحریر

۲۔ ڈائری لکھنے کے حوالے سے مصنفہ نے اپنے بزرگوں اور دیگر شخصیات کی دلچسپ مثالیں دی ہیں۔ ہر فرد اپنی دلچسپی کے مطابق لکھتا ہے۔

۳۔ جو لوگ صرف اپنے پڑھنے اور اظہار خیال کے لیے ڈائری لکھتے ہیں ان کا اندازِ بیاں بناوٹ سے پاک اور بے تکلّف ہوتا ہے ، کیونکہ اُنھیں یہ ڈر نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا شخص اُن کی ڈائری پڑھ لے گا۔

۴۔ اگر دوسروں کے پڑھنے کے لیے ڈائری لکھی جائے تو طرزِ تحریر محتاط اور پُر تکلّف ہوتا ہے ، اظہار خیال بھی کھل کر نہیں کیا جاتا۔

۵۔ تلخیص کے لیے مضمون کے اہم نکات کی نشاندہی کی جائے اور ان پر مبنی ایک جامع اور مختصر پیراگراف لکھا جائے۔ چند نکات یہ ہو سکتے ہیں :

ڈائری لکھنا کیا ہوتا ہے ، دی گئی بزرگوں کی مثال کہ وہ کن باتوں کو اہمیت دیتے تھے ، ہر لکھنے والے کا انداز اور دلچسپی کے موضوعات مختلف اور منفرد ہوتے ہیں ، ان کے لکھنے کے مقاصد بھی مختلف ہوتے ہیں۔

مزید اشارے : فرہنگ میں دیے گئے الفاظ کو طلبا اپنے جملوں یا تحریر میں مناسب مقام پر استعمال کر سکتے ہیں۔

اقتباس نمبر ۲ : بلاگ

یہ تحریر جدید ٹیکنالوجی اور اس سے حاصل ہونے والے مختلف ذرائع ابلاغ اور اظہارِ رائے سے متعلق ہے۔ ان میں ایک ذریعہ ''بلاگ'' ہے۔ اس عمل کے فوائد و نقصانات پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔

ا۔ فیس بک ، ٹوئٹر ، ویب سائٹ ، اور بلاگ اُن ذرائع ابلاغ کی چند مثالیں ہیں جو آج کل مقبول ہیں۔

۲۔ اس انقلاب کے ذریعے ٹیکنالوجی تک رسائی رکھنے والے ہر شخص کو اظہارِ خیال کا موقع میسر آیا ہے۔ دوسروں کی تحریریں بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

۳۔ بلاگنگ ایک انفرادی مشغلہ بھی ہے اور دوسروں تک اپنے خیالات ، رائے اور معلومات پہنچانے کا ذریعہ بھی۔
۴۔ موجودہ ٹیکنالوجی کا فائدہ یہ ہے کہ آپ دنیا بھر سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں ، اُنھیں جانچ سکتے ہیں ، اور دوسروں کے خیالات اور رائے پر تبصرہ بھی کر سکتے ہیں۔
۵۔ اخبارات کے رپورٹر اور تجزیہ نگار کسی مقام کے حالات جاننا چاہیں تو وہاں رہنے والے 'بلاگر' سے رابطہ کر کے صورتحال جان سکتے ہیں۔ کسی موضوع کو منظر عام پر لانے اور اس پر مثبت بحث کرنے کے لیے 'بلاگ' کی مدد لی جاسکتی ہے۔

اقتباس نمبر ۳ : اوز کا نرالا جادوگر

یہ کہانی آج سے سو سال پہلے بچّوں کے لیے لکھی گئی تھی لیکن اس کی عالمی مقبولیت پر آج بھی کوئی اثر نہیں ہوا ہے اور اب بھی یہ کہانی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے۔ دورِ حاضر میں ''ہیری پوٹر'' کی کہانیوں کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی کہانیاں ہمیشہ دلچسپی کا باعث رہیں گی۔

۱۔ اس کہانی کی خصوصیت یہ ہے کہ اقدار کا سبق سختی اور ڈر سے نہیں بلکہ تفریح اور دلچسپ واقعات کے ذریعے سکھایا گیا ہے۔ نیز کردار بھی انوکھے اور غیر معمولی ہیں۔
۲۔ یہ کہانی منفرد اس لیے ہے کہ بچّوں کے لیے لکھی گئی نصیحت بھری کہانیوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کہانی میں نئے طرح کے واقعات اور کردار ہیں۔
۳۔ اس کہانی کی مقبولیت کے چند ثبوت: ایک سو سال سے زیادہ پرانی ، پھر بھی مقبول ہے ؛ اس کہانی پر مبنی کئی فلمیں بھی بنائی گئیں ؛ قارئین کے اصرار پر مصنف نے اس سلسلے کی مزید کہانیاں بھی لکھیں۔
۴۔ مصنف کا مقصد تفریح کے علاوہ کہانی کے ذریعے اخلاق و اقدار کی تعلیم اور کردار سازی ہے (کہانی سے اس کی مثال دی جائے)۔ دوسرے یہ کہ کہانی کے کرداروں کی خوبیوں اور خامیوں کا موازنہ قاری خود کر سکتا ہے۔
۵۔ یہ سوال کلاس میں ہلکی پھلکی بحث کا موضوع ہو سکتا ہے۔

اقتباس نمبر ۴ : رالف رسل

یہ مختصر اقتباس اُردو ادب سے مانوس ایک دلچسپ شخصیت کے متعلق ہے۔ اسے پڑھ کر اُردو زبان و ادب کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

۱۔ رالف رسل دوسری جنگِ عظیم کے دوران برصغیر میں تعینات ہوئے اور یہاں اُردو سے ان کا تعارف ہوا۔
۲۔ اُردو زبان (بولی) سیکھنے کا مقصد اپنے ماتحت سپاہیوں سے رابطہ رکھنا تھا۔ پھر رسل نے اُردو کا رسم الخط بھی سیکھا۔
۳۔ انگلستان واپسی پر رسل نے لندن یونیورسٹی کے مشہور ادارے SOAS میں داخلہ لیا اور باقاعدہ اُردو زبان اور ادب میں ڈگری حاصل کی۔ اس دوران اُردو ادب اور شاعری سے ان کی گہری شناسائی ہوئی۔

۴۔ رالف رسل نے اُردو نظم و نثر دونوں کے حوالے سے بہت خدمت کی۔ اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ادبی مقالے لکھے اور اُردو تحریروں کا انگریزی ترجمہ بھی کیا۔ رسل کو شاعری، خصوصاً غالبؔ اور میرؔ کے کلام سے گہری دلچسپی تھی۔

۵۔ یہ ایک گروہی مشق ہے۔ استاد کی رہنمائی میں طلبا انٹرنیٹ سے رالف رسل اور ان کی تصانیف کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

۶۔ حسبِ ہدایت اس مشق پر کام کیا جائے۔

اقتباس نمبر ۵ : شہر کاری

یہ مضمون دنیا میں رونما ہونے والی ایک واضح تبدیلی کے متعلق ہے یعنی شہروں کی بڑھتی ہوئی آبادی اور دیہات سے شہروں کی طرف لوگوں کی ہجرت۔

۱۔ مختلف وجوہات کے باعث لوگوں کا دیہی علاقوں سے بڑی تعداد میں شہر کا رخ کرنا شہر کاری کہلاتا ہے۔

۲۔ دیہات میں بنیادی روزگاروں کا تعلق موسم سے ہوتا ہے (جیسے کھیتی باڑی، گلہ بانی وغیرہ)۔ موسم کی تبدیلی ان روزگاروں پر بُرا اثر ڈالتی ہے۔ اس کے علاوہ شہروں میں زندگی کی سہولیات زیادہ میسر ہوتی ہیں اور روزگار کے بہتر مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ دیہی علاقوں سے شہروں کی طرف آتے ہیں۔

۳۔ شہروں میں کئی سہولیات میسر ہوتی ہیں، مثلاً ذرائع تعلیم، ذرائع نقل و حرکت، کارخانے، روزگار کے مواقع، اور طبی سہولیات جیسے ڈاکٹر اور ہسپتال، وغیرہ۔ جبکہ دیہی علاقوں میں زندگی سست رفتار ہوتی ہے۔ زندگی کی معمولی سہولتیں بھی اکثر میسر نہیں ہوتیں۔

۴۔ پاکستان کی تاریخ میں دو ایسے واقعات ہوئے ہیں جن کی وجہ سے بڑے پیمانے پر لوگوں کی نقل مکانی ہوئی ہے۔ پہلا واقعہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کا تھا جس کے بعد بڑی تعداد میں لوگ بھارت کا حصّہ بننے والے علاقوں کو چھوڑ کر پاکستان آئے۔ دوسرا واقعہ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا تھا۔

۵۔ بیسویں صدی کے اوائل میں شہری اور دیہی آبادی کا تناسب ۱۵ : ۸۵ تھا، یعنی ۱۵ فیصد آبادی شہروں میں پائی جاتی تھی۔ اکیسویں صدی کے اوائل میں یہ تناسب ۵۰ : ۵۰ ہو گیا ہے اور شہروں کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے۔

۶۔ ایشیا میں کراچی، جکارتا، منیلا، ممبئی، شنگھائی اور بیجنگ کی آبادی دو کروڑ فی شہر سے زیادہ ہے جبکہ دہلی اور ٹوکیو کی آبادی تقریباً چار کروڑ فی شہر ہے۔

۷۔ اس سوال پر کلاس میں گفتگو کی جائے اور اہم نکات کو نوٹ کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں دیے گئے نکات کو بھی شامل کر کے فوائد اور نقصانات کے تحت جمع کیا جائے۔

۸۔ شہری اور دیہی آبادی میں توازن کے لیے ضروری ہے کہ دیہات میں بھی وہ سہولیات اور وسائل مہیا کیے جائیں جن کی خاطر لوگ شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیم، صحت اور روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ شہروں میں بڑھتی ہوئی آبادی میں کمی واقع ہو۔

اقتباس نمبر ۶ : ماحولیاتی آلودگی، وجوہات اور اثرات

یہ موضوع اس دور کے ماحولیاتی مسائل کے حوالے سے اہمیت رکھتا ہے۔ اس مسئلے سے آگہی اور اس کے حل پر توجہ بہت ضروری ہے۔

۱۔ ماضی اور حال کا موازنہ یوں کیا گیا ہے کہ ماضی میں وہ سہولتیں اور آسائشیں نہیں تھیں جو آج میسر ہیں۔ لیکن اس وقت آب و ہوا میں وہ آلودگی بھی نہیں تھی جو دورِ حاضر کی ترقی کا تحفہ ہے۔

۲۔ آب و ہوا اور ماحول سے مراد کسی بھی علاقے کی فضا، موسم اور اِرد گرد موجود چیزیں ہوتی ہیں۔

۳۔ ماحولیاتی آلودگی کی اہم وجوہات میں صنعتی ترقی کے نام پر بے پروائی سب سے نمایاں ہیں جو فضا، پانی اور زمین پر مضر اثر مرتب کرتی ہیں۔ پانی کے وسائل اور ذرائع میں کیمیائی مادّے خارج کیے جاتے ہیں۔ اس میں کیڑے مار ادویات بھی شامل ہوتی ہیں۔ خطرناک ایٹمی اجزا کا وجود بھی ملتا ہے۔ یہ اثرات انسان اور حیوان، دونوں کے لیے مضر، اور سرطان (Cancer) کا سبب ہیں۔

۴۔ ہوا اور فضائی آلودگی پھیپھڑوں اور سانس کی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔ اس کے علاوہ جِلد کی بیماریاں بھی ہوتی ہیں جن کا علاج طویل اور مہنگا ہوتا ہے۔

۵۔ پانی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک کی تحقیق کے مطابق نظامِ شمسی میں کرۂ ارض وہ واحد مقام ہے جہاں پانی پایا جاتا ہے۔ پانی زندگی کی علامت ہے اور ہر جاندار یعنی انسان، حیوان اور نباتات کے لیے ایک لازمی ضرورت ہے۔

۶۔ کرۂ ارض پر زندگی کا توازن برقرار رکھنے میں آب و ہوا کو آلودگی سے پاک رکھنے میں درختوں اور سبزہ کا ایک اہم کردار ہے۔ درخت کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر کے فضا میں آکسیجن خارج کرتے ہیں جو انسان، حیوان اور حشرات الارض کی زندگی کے لیے ضروری ہے۔

☆ سوال نمبر ۷ اور ۸ کلاس میں گفتگو کے لیے ہیں۔ گفتگو کے نتیجے میں سامنے آنے والے نکات کو بورڈ پر نوٹ کیا جائے اور انھیں مضمون نویسی کے لیے یا مشترکہ سرگرمی یعنی group activity کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اقتباس نمبر ۷ : سیلفی

یہ عبارت دورِ حاضر کے ایک مقبول شوق کے متعلق تجزیہ ہے۔ اس مضمون میں خاص توجہ کیمرے سے اپنی تصویر آپ لینے پر دی گئی ہے۔ اسے خود پرستی کا عکاس بھی کہا جا سکتا ہے جو عموماً دورِ نوجوانی میں ایک فطری بات ہوتی ہے۔

۱۔ ٹیکنالوجی سے لیس زندگی ہمارے لیے سہولتیں اور آسانیاں لاتی ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے ماضی کے مصوروں اور اب اپنی 'سیلفی' بنانے والوں کا تقابل کیا ہے۔ رنگ اور برش سے تصویر ایک عرصے میں بنتی ہے جبکہ سیلفی پلک جھپکتے میں بن جاتی ہے۔

۲۔ موجودہ دور کی ایجادات ایک نئے شوق کی طرح صارفین کے ذہن پر چھا جاتی ہیں۔ لوگ اپنے سماجی دائرے میں مقبول ہونے والے نئے مشغلوں میں ماہر ہونا چاہتے ہیں، مثلاً اسمارٹ فون پر پیغامات اور فیس بک پر تصاویر وغیرہ کا تبادلہ۔

۳۔ سیلفی کے شائقین میں صرف نوجوان اور خواتین ہی نہیں بلکہ معمر افراد، مشہور شخصیات، یہاں تک کہ سربراہانِ ممالک بھی شامل ہیں۔

۴۔ موبائل فون میں دوطرفہ کیمرے لگائے گئے ہیں اور صحیح زاویے سے تصویر لینے کے لیے سیلفی اسٹک بھی ایجاد کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تصویر کے بہتر نتائج کے لیے موبائل فون میں نصب کیمرے بھی اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں۔

۵۔ نرگسیت سے مراد خود پسندی یا خود پرستی ہے یعنی صرف اپنے وجود سے دلچسپی رکھنا۔ نرگسیت، نرگس کے پھول سے ماخوذ ہے، جو پانی کے کنارے اُگتا ہے اور گویا پانی میں اپنا عکس دیکھتا رہتا ہے۔

اقتباس نمبر ۸ : وقت کی پابندی کا احوال

مرزا فرحت اللہ بیگ کی اس تحریر کے انداز اور الفاظ کے انتخاب سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ پُرانے زمانے کی تحریر ہے۔ یہ مضمون وقت کے پابند افراد کے بارے میں ہے۔

۱۔ وقت ایسی شے ہے جو نظر نہیں آتا لیکن بے حد قیمتی ہے۔ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔ گنوایا ہوا وقت دوبارہ حاصل نہیں ہوتا اور ضائع ہو جائے تو اس کا نعم البدل نہیں۔ اسی لیے وقت کی پابندی اور اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۲۔ تین اشخاص، منشی ذکا اللہ، رائے بہادر پیارے لال اور مولوی نذیر احمد دہلوی کی مثال دی گئی ہے۔

۳۔ مولوی نذیر احمد کی پابندیِ اوقات کی تفصیل کا مقصد ان کے طرزِ زندگی اور معمول پر توجہ دلانا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے بااصول اور نظم وضبط کے پابند تھے۔

۴۔ اس عبارت سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان اپنی زندگی اور وقت بامقصد اور اصولی طریقے سے گزارے، وقت کی اہمیت کو سمجھے، اس کی قدر کرے اور اس کا بہترین استعمال کرے۔

۵۔ یہ انفرادی مشق ہے۔

اقتباس نمبر ۹ : نواب صاحب کو پہلا سلام

یہ طنزیہ تحریر بھی مرزا فرحت اللہ بیگ کی ہے جس میں انھوں نے ماضی کا ایک منظر بیان کیا ہے۔ رسم و رواج نہ صرف طنزیہ انداز میں پیش کیے گئے ہیں بلکہ یہ تحریر ماضی کے طور طریقوں کی بھی عکاسی کرتی ہے۔

۱۔ اس عبارت میں ایک رعب دار نواب صاحب کے تشریف لانے اور ان کے سامنے ان کے مصاحبوں کی پیشی کا منظر ہے۔ یہ منظر انیسویں صدی کے ہندوستان کی عکاسی کرتا ہے۔

۲۔ موجودہ دور میں ترقی یافتہ ممالک میں تو ایسا منظر نظر نہیں آتا، لیکن ترقی پذیر علاقوں میں جہاں رئیس اور طاقتور زمیندار اور سردار ہوں تو ان کی رعایا اپنے دنیوی مالک کے آگے باادب نظر آتی ہے۔

۳۔ مصنف نے نواب صاحب کو ایک فاتح بارہ سنگھے سے تشبیہ دی ہے جو کسی اونچے مقام پر کھڑا، بڑے فخر سے خود کو اپنے اِردگرد نظر آنے والی ہر شے کا مالک سمجھتا ہے۔

۴۔ نواب صاحب کو سلام کرنے کی تقریب کو عید کی نماز سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ نمازِ عید کے دوران بھی سب اپنے برابر میں کھڑے شخص کو دیکھ کر تکبیر ادا کرتے ہیں۔

۵۔ گو کہ یہ مضمون تو اب پرانا ہو چکا، لیکن مصنف نے اپنے زمانۂ ماضی سے موازنہ کیا ہے۔ مصنف کے مطابق جب دو مختلف تہذیبوں کے لوگ ملتے ہیں تو ایسے ہی بوکھلاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں بزرگوں اور معزز ہستیوں کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا اور لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے بلکہ یہ لازمی تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس رویے میں تبدیلی آتی گئی۔

اقتباس نمبر ۱۰ : بھونکتے کتّے سے بچنے کا نسخہ

ابنِ انشا اپنی تحاریر میں طنز و مزاح کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں۔ زندگی کے عام واقعات کو بھی وہ ایک مزاحیہ زاویے سے دیکھتے تھے اور ہلکے پھلکے انداز میں اس پر تبصرہ کرتے تھے۔ یہ تحریر اسی انداز کی ایک مثال ہے۔

۱۔ اس عبارت کو طنز و مزاح کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

۲۔ قطعی نہیں! انشا نے ایک فرضی صورتحال پر مضمون لکھا ہے۔ تاہم ایک نقطۂ نظر یہ ہو سکتا ہے کہ مہمل اور عام واقعات پر ضرورت سے زیادہ توجہ کارآمد نہیں ہوتی۔

۳۔ اخبار نے کتّوں سے بچاؤ کا طریقہ یہ بتایا کہ کتّے کے آگے ڈر کر پریشان ہونے کی بجائے بالکل سیدھے اور بے نیاز ہو کر کھڑے ہو جائیں اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

۴۔ مصنف کے شکوک وشبہات : (i) کتّے سے بچنے کے طریقہ کہاں سے لیا گیا۔ (ii) کیا کتّوں کو بھی یہ بتایا گیا کہ اس طریقے پر عمل کرنے والوں کو ہراساں نہ کیا جائے؟ (iii) اگر اس تدبیر پر عمل کرنے والے کو کتّا کاٹ لے تو کیا یہ ترکیب شائع کرنے والے اخبار کا مدیر ذمّہ دار ہوگا؟

۵۔ یہ مشورہ اس لیے دیا گیا ہے کہ اگر اس ترکیب پر عمل کرنے کے باوجود کسی شخص پر کتّا بھونکے تو اسے یہ صفحہ دکھا دیا جائے۔ اگر کاٹ لے تو اس کی پٹائی کی جائے۔

اقتباس نمبر ۱۱ : ایک پیالی چائے

چائے کے بارے میں یہ مضمون معلوماتی بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اندازِ تحریر میں بعض مقامات پر مزاح کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔

۱۔ چائے ایک مقبول روایت ہے اور ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بڑی تعداد اپنے دن کا آغاز چائے سے کرتی ہے۔

۲۔ کہتے ہیں کہ چائے کی دریافت ہونا ایک اتفاق تھا۔ مختلف جڑی بوٹیوں کی طرح ، چائے کے پتّے اور ان سے بننے والے محلول کا اثر اور فوائد رفتہ رفتہ عام ہوئے ہوں گے۔ ایسی ہی کہانیاں کافی (coffee) کے متعلق بھی سننے میں آتی ہیں۔

۳۔ چائے اپنی جائے پیدائش یعنی چین اور ہمالیہ کی پہاڑی ڈھلانوں سے جمع کر کے قہوہ بنانے کے لیے استعمال ہونا کب شروع ہوئی، اس کی تاریخ معلوم نہیں۔ تاہم اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ یقیناً مغرب میں متعارف ہونے سے صدیوں پہلے سے استعمال میں ہوگی۔ ۱۶۱۰ء میں ہالینڈ کے تاجروں نے اسے یورپ میں متعارف کروایا ، اور ۱۶۶۴ء میں برطانیہ میں اس کا تعارف ہوا۔ برصغیر میں بھی چائے پی جاتی تھی اور آج یہ ایک عام اور بے حد مقبول مشروب ہے۔

۴۔ اس سوال کے جواب کے لیے دوسرے اور تیسرے پیرا گراف میں نکات موجود ہیں۔ چند اہم نکات یہ ہیں : چائے کے پودے کی کاٹ چھانٹ ضروری ہوتی ہے ، چائے کے باغات کہاں اور کس موسم میں اور کتنی اونچائی پر پائے جاتے ہیں ، چائے کی کونپلوں کو کتنا سینکا جاتا ہے اور مختلف نژاد کی چائے کو مختلف ذائقے پیدا کرنے کے لیے کس طرح ملایا جاتا ہے۔

۵۔ اس سوال کا جواب صفحہ ۲۳ کے آخری جملے میں ہے۔

اقتباس نمبر ۱۲: اتوار بازار کی سیر

اس مضمون میں پاکستان میں منعقد ہونے والے بچت بازاروں کے متعلق تفصیل دی گئی ہے۔ بچت بازار دیگر ممالک میں بھی لگائے جاتے ہیں مثلاً لندن میں بھی ایسے ہفتہ وار بازار نظر آتے ہیں۔

۱۔ بچت بازار میں ایک ہی چھت تلے کئی اشیا شہر کی دکانوں کے مقابلے میں سستے داموں دستیاب ہوتی ہیں۔

۲۔ بچت بازار میں پھل ، سبزی ، اناج ، کپڑا ، برتن ، صابن اور دیگر چیزیں دستیاب ہوتی ہیں۔

۳۔ پاکستان میں پھل اور سبزی کی اقسام، افراط اور ان کے ذائقے سے متاثر ہو کر، مصنفہ نے ان نعمتوں کے لیے اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔

۴۔ بچت بازار کے تمام انتظام یعنی دکانیں لگوانے، قابل قبول اشیا اور تازہ اشیا خورد و نوش، دکانوں اور گاہکوں کی حفاظت کے کمیٹیاں بنائی گئی ہیں جو ان کاموں کے لیے ذمّہ دار ہیں۔

۵۔ اس جملے سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے متمول طبقے کے افراد، مرد و عورت دونوں استعمال شدہ اشیا خریدتے نظر آتے ہیں۔

۶۔ اس سوال پر کلاس میں گفتگو کی جاسکتی ہے جس میں طلبا اپنے اپنے تجربے بیان کریں۔

۷۔ یہ انفرادی مشق ہے۔

اقتباس نمبر ۱۳: بریکنگ نیوز

مضمون کے پہلے دو جملے اس مضمون کو متعارف کرواتے ہیں۔

۱۔ بریکنگ نیوز کسی ایسی خبر کو کہا جاتا ہے جو زیادہ اہمیت کی حامل ہو اور فوری پیش کی جائے۔ عموماً معمول کی نشریات روک کر یہ خبر دی جاتی ہے۔

۲۔ ستارہ اکبر کو اسکول سے برطرف کرنے کی وجہ اس کے سوالات تھے جو اس کی ذہانت کی نشانی تھے مگر ان کے جواب اس کے اساتذہ کے پاس نہیں تھے۔ یہ قطعی غلط قدم تھا۔ ستارہ کی ذہانت سراہنے کی بجائے اسے سوال کرنے سے روکا گیا۔

۳۔ ان تمام اشخاص میں ایک مشترکہ صفت ان کا حوصلہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

☆ سوال نمبر ۴ اور ۵ کے جواب کے لیے اساتذہ خود بھی معلومات حاصل کریں اور طلبا کو بھی مختلف ذرائع، مثلاً اخبارات، میڈیا اور انٹرنیٹ پر موجود معلومات کی نشاندہی کیجیے۔

اقتباس نمبر ۱۴: انسان اور زبان

زبان کے ارتقا اور انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت کے حوالے سے یہ ایک مختصر لیکن اہم اور دلچسپ مضمون ہے۔

۱۔ اس سوال کا جواب عبارت کے پہلے پیراگراف سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ زبان اظہار اور رابطے کا اہم ذریعہ ہے۔

۲۔ زبان اور انسان جڑے ہوئے ہیں کیونکہ اظہار کا یہ ذریعہ قدرت نے انسان ہی کو بخشا ہے۔ اس کے علاوہ زبان کے ذریعے انسان اپنے ماضی، تاریخ اور ثقافت کو بھی محفوظ رکھتا ہے۔

۳۔ جہاں زبانوں کا رسم الخط نہ ہو تو اس زمانے کی تاریخ کو صرف تصاویر اور پتھروں پر بنے نقوش کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے، تفصیل نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی مثال موہن جو دڑو کی وہ تختیاں ہیں جن پر بنے نقوش کو آج تک کوئی سمجھ نہیں پایا۔

۴۔ ٹیکنالوجی نے زبان میں نئے الفاظ اور کئی مخفف (abbreviations) متعارف کروائے ہیں۔ تیزی سے پیغام پہنچانے یا پیغام کا جواب دینے کے لیے اکثر لسانی قواعد کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ اس سوال کے جواب کے لیے جماعت میں اس موضوع پر گفتگو کر کے مزید نکات جمع کیے جا سکتے ہیں۔

۵۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۱۵: محمد علی جناح

مضمون سے قبل اس اقتباس کے ماخذ اور اہمیت سے متعارف کروایا گیا ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے بانیِ پاکستان محمد علی جناح کے زمانۂ طالبعلمی کے ایک پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۔ جناح صاحب نے قانون کی تعلیم کے لیے لنکنز اِن کا انتخاب اس لیے کیا کیونکہ تاریخ کے تمام عظیم قانون سازوں کی فہرست میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام اوّلین تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ دادا بھائی نوروجی کا مشورہ تھا کہ آزادی کی خاطر قانون کی تعلیم حاصل کی جائے۔

۲۔ انسان اور قوم دونوں کے لیے آزادی اور ترقی سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ جس طرح تازہ ہوا اور روشنی کے بغیر کوئی پودا پھل پھول نہیں سکتا، اسی طرح آزادی کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

۳۔ لنکنز اِن کے طرزِ تعلیم کو قرونِ وسطیٰ (Medieval) سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ ایک قدیم اور کسی حد تک قدامت پسند ادارہ تھا جو تعلیم و تدریس کے پرانے رسم و رواج اور روایتوں کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔

۴۔ زیرِ تعلیم طلبا کو رات کے کھانے پر لنکنز اِن میں حاضری دینے کی روایت اس لیے برقرار رکھی گئی تھی تاکہ طلبا مشہور اور کامیاب وکلا، سیاستدانوں اور منصفوں کی محفل میں شریک ہو سکیں اور اس پیشے کے طور طریقے اور روایتیں سیکھ سکیں۔

۵۔ وکالت ایسا پیشہ ہے جس میں وکیل کو اپنا نقطۂ نظر منوانے کے لیے خود کو صورتحال پر مکمل قابو رکھنے والا ثابت کرنا بھی ہوتا ہے۔ اپنی تقریر اور آواز وغیرہ میں حوصلے اور یقین کا عکس، یہ سب خصوصیات ایک وکیل کے لیے ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ، اداکاری کے لیے بھی لازمی جزو ہیں۔

اقتباس نمبر ۱۶: اولمپک کھیل

یہ مختصر مضمون مشہورِ زمانہ کھیلوں کے سلسلے اولمپکس کے متعلق ہے جن کا انعقاد زمانۂ قدیم سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔

۱۔ اولمپکس وہ بین الاقوامی کھیلوں کے مقابلے ہیں جو ہر چار سال بعد منعقد ہوتے ہیں۔ اس تقریب کے لیے وسیع پیمانے پر تیاریاں اور انتظامات کیے جاتے ہیں۔

۲۔ ان کھیلوں کی روایت ۱۸۹۴ء میں فرانس کے ایک رئیس نے دوبارہ زندہ کی اور اب یہ باقاعدگی سے ہر چار سال بعد منعقد ہوتے ہیں۔

۳۔ بیسویں صدی میں پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے کے باعث ۱۹۱۶ء، ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۴ء میں اولمپکس کا انعقاد نہیں ہوا۔

۴۔ میزبان ممالک کو کھیلوں میں حصّہ لینے والے کھلاڑیوں، دیگر شرکا، مختلف ممالک کے متعلقہ عہدیداران، دنیا بھر سے آنے والے شائقین اور دیگر افراد کے لیے رہائش، خوراک، آمد و رفت، دیگر ضروریاتِ زندگی اور سب سے بڑھ کر ان تمام لوگوں کے تحفظ کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔

۵۔ میزبان ممالک کے لیے اولمپکس باعث عزت و شہرت ہوتے ہیں اور اس تقریب سے انھیں مالی فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

۶۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۱۷: چین کا سفر

چین کے سفر سے متعلق یہ مضمون مصنفہ کے اپنے تجربات پر مبنی ہے۔ اس مضمون میں چین کی چند معروف عمارات، مقامات، اور طرزِ زندگی کے پہلوؤں پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ مصنفہ کے لیے چین کے سفر کی اہمیت کی کئی وجوہات تھیں۔ اُن کے مطابق اُنھوں نے بچپن سے اس عظیم ملک کے متعلق پڑھا تھا تو اُنھیں یہاں آنے اِک شوق تھا۔ اس کے علاوہ اُنھیں دفتری کام بھی کرنے تھے۔

۲۔ چین، جغرافیائی اعتبار سے، ایک بہت بڑا ملک ہے جہاں مختلف زمینی نقوش اور موسم پائے جاتے ہیں۔ تاریخی لحاظ سے چین مشرقی ایشیا کا ایک قدیم ملک ہے جو کئی ادوار سے گزرا ہے۔

۳۔ چین نے اپنے تاریخی مقامات کی اچھی دیکھ بھال کی ہے۔ دیوارِ چین ایک غیر معمولی تعمیری نمونہ ہے۔ پرانے بادشاہوں کے بنائے ہوئے محلّات اور یہاں پائی جانے والی اشیا چین کی ثقافت کا عکس ہیں۔

۴۔ چین کی تہذیب میں مختلف رنگوں کی اپنی اہمیت ہے۔ سرخ رنگ خوشی کی علامت ہے جبکہ پیلا رنگ دولت و اقتدار کی علامت ہے۔

۵۔ ماضی میں یعنی بیسویں صدی کے اوائل سے لے کر ۱۹۷۰ء کی دہائی تک چین میں قوانین بہت سخت تھے۔ معاشی طور پر غربت عام تھی جبکہ حکمرانوں کی زندگی آرام دہ تھی۔ دورِ حاضر میں حالت بدل چکے ہیں۔ چین تیزی سے ترقی کی طرف گامزن ہے۔ صنعتی اور کاروباری شعبے میں آزادی اور ترقی کی وجہ سے چینی معاشرے میں خوش حالی نظر آتی ہے۔

۶۔ انفرادی یا گروہی مشق کے طور پر لکھوایئے۔

اقتباس نمبر ۱۸: روایتیں

۱۔ روایتیں وہ طور طریقے ہیں جو کسی معاشرے میں پشت در پشت چلی آتی ہیں یہاں تک کہ وہ ثقافت اور تہذیب کا حصّہ بن جاتی ہیں۔

۲۔ نو روز یعنی نیا دن دنیا کے شمالی نصف میں ایشیا کے کئی ممالک میں ۲۱ مارچ کو منایا جاتا ہے یہ بہار اور موسم کی تبدیلی کی خوشخبری ہے۔

۳۔ بسنت ایسی ایک تقریب ہے جو برصغیر میں سرحد کی دونوں طرف منائی جاتی ہے۔ یہ بھی سرد موسم کے اختتام اور بہار کی آمد کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ یہ کوئی مذہبی تہوار نہیں بلکہ ایک ثقافتی تہوار اور تقریب ہے۔

۴۔ یومِ شکرانہ شمالی امریکا میں منایا جاتا ہے۔ برطانیہ اور یورپ سے شمالی امریکا میں آ کر بسنے والے سفید فام لوگ اپنے کاروبار اور کھیتی باڑی میں ترقی پانے اور نئی زندگی کے آغاز کے لیے بطور شکر مناتے ہیں۔

۵۔ آج کل کی تیز رفتار اور بے حد مصروف زندگی میں روایتوں سے جڑے رہنا اور ان کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہے۔ رفتہ رفتہ یہ طور طریقے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

اقتباس نمبر ۱۹: سفر ـ کل ، آج اور کل

اس مضمون میں ہلکے پھلکے انداز میں ماضی اور حال کے سفر کے مراحل کا موازنہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی مستقبل کے ممکنہ حالاتِ سفر کا بھی ذکر ہے۔

۱۔ حال میں سفر کی تیاری منزل اور طریقۂ سفر کے قوانین پر منحصر ہوتی ہے۔ صحت سے متعلق سرٹیفکیٹ ، پاسپورٹ اور ویزا کا حصول ، زرِ مبادلہ کا انتظام ، پھر ایئرپورٹ یا سرحد پر پہنچ کر امیگریشن (immigration) کی کارروائی مکمل کرنا سفر کے مراحل ہیں۔ ماضی میں سفر کی طوالت اور موسم کے پیشِ نظر خوراک اور لباس کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ ضروریات کے مطابق مناسب رقم کا انتظام اور راستے میں درپیش ممکنہ خطرات سے محفوظ رہنے کے لیے کسی قابلِ بھروسا گروہ یا کاروان کا انتخاب بھی ضروری ہوا کرتا تھا۔

۲۔ ماضی میں زمینی سفر کے لیے گھوڑوں یا اونٹوں کی سواری کی جاتی تھی یا بحری سفر کے لیے کسی جہاز پر کرایہ دے کر سفر کیا جاتا تھا۔

۳۔ ماضی میں سفر کے دوران پیش آنے والے مسائل قدرتی بھی تھے اور انسانوں کے پیدا کردہ بھی۔ قدرتی مسائل سے مراد یہ کہ طوفان ، زلزلے ، سیلاب ، سخت گرمی ، سردی یا بارش کا اندیشہ رہتا تھا۔ انسانوں سے پہنچنے والے نقصانات میں ڈاکوؤں کے ہاتھ لٹنا ، کسی مخالف گروہ کے ہاتھ قید یا قتل ہو جانا شامل تھا۔ راستے طویل ہونے کے سبب بھی کئی پریشانیاں ہوتی تھیں اور رابطے کے جدید ذرائع میسر نہ ہونے کے باعث مسافروں کے لیے اپنے دیس سے نکلنے کے بعد مہینوں تک اپنے گھر والوں سے رابطہ کرنا مشکل ہوتا تھا۔

۴۔ یہ انفرادی جواب ہو گا۔ کلاس میں اس موضوع پر گفتگو کر کے نکات اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

اقتباس نمبر ۲۰: عامر اقبال خان

عامر اقبال خان ایک پیشہ ور باکسر ہیں جنھوں نے حالیہ برسوں میں خاصی شہرت حاصل کی ہے۔ یہ مضمون ان کی زندگی، باکسنگ کو بطور پیشہ اپنانے اور فلاحی کاموں کی طرف ان کی توجہ سے متعلق ہے۔

۱۔ عامر خان نے اپنے پیشے میں کامیابی کے لیے نہ صرف باقاعدہ تربیت حاصل کی بلکہ پابندی سے مشق کرتے رہے اور رفتہ رفتہ بلند مقام تک پہنچے۔

۲۔ عامر خان کے والد نے بیٹے کا شوق دیکھتے ہوئے انھیں باکسنگ کے ایک تربیتی ادارے میں داخل کروایا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

۳۔ باکسنگ عامر خان کے بچپن کا شوق تھا۔ اس شوق پر توجہ دیتے ہوئے اور پابندی سے مشق اور تربیت پر توجہ دیتے ہوئے انھوں نے اس کھیل کو اپنا پیشہ بنا لیا اور کامیابی حاصل کی۔

۴۔ باکسنگ کے علاوہ عامر خان کئی فلاحی کاموں میں حصّہ لیتے ہیں۔ قدرتی آفات مثلاً زلزلے، سونامی وغیرہ سے متاثر افراد کی مدد کے لیے انھوں نے فلاحی کام انجام دیے ہیں۔ پشاور میں آرمی پبلک اسکول پر ہونے والے حملے کے متاثرین کی عیادت اور طلبا کی حوصلہ افزائی کے لیے اُنھوں نے ہسپتال کا دورہ کیا۔

۵۔ اپنے ہنر، پیشے اور کردار میں کامیابی کے پیشِ نظر اُن کے لیے ''کنگ خان'' کا خطاب بہت مناسب ہے۔

اقتباس نمبر ۲۱: کچھ ذکر ماحولیات کا

دورِ حاضر میں یہ ایک اہم موضوع ہے۔ ترقی اور پسماندگی، دونوں کی وجہ سے کرۂ ارض کے ماحول یعنی ہوا، پانی اور زمین پر بہت مضر اثرات ہوئے ہیں۔

۱۔ ۲۰۰۸ء میں ۸ جون کو سمندروں کا عالمی دن قرار دیا گیا تھا۔

۲۔ کرۂ ارض کے تقریباً تین چوتھائی حصے پر سمندر ہیں۔ ان سمندروں سے اُٹھنے والے بخارات بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، لیکن بارش کے ذریعے برسنے والا پانی نمکین نہیں ہوتا، بلکہ پینے اور استعمال کے قابل میٹھا پانی ہوتا ہے۔ زمین پر حیات کو قائم رکھنے کے لیے سمندر پانی کا نہایت اہم ذریعہ ہیں۔

۳۔ بے پروائی برتتے ہوئے، سمندروں میں نہ صرف گٹروں کا گندا پانی پھینکا جاتا ہے، بلکہ کارخانوں سے خارج ہونے والے خطرناک کیمیائی اجزا بھی اُسی میں اُنڈیلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹھوس کچرا بھی سمندروں کو آلودہ کرتا ہے اور سمندر میں پائے جانے والے جانداروں کے لیے جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ کچھ نکات گزشتہ سوال کے جواب میں بیان کیے گئے ہیں؛ ان کے علاوہ جب آلودہ پانی زمین میں جذب ہو جائے تو وہ نہ صرف پانی کے زیرِ زمین ذخائر کو آلودہ اور ناقابلِ استعمال بنا دیتا ہے، بلکہ زمین کو آلودہ کر کے کھیتی باڑی کے لیے بے کار کر دیتا ہے۔ آلودگی کی وجہ سے جو بخارات پیدا ہوتے ہیں وہ فضا کو بھی آلودہ کر دیتے ہیں۔

۵۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۲۲ : مصر اور نہر سوئز

یہ اقتباس سلیم عالم کے سفرنامے ''قصہ شہر نوردی کا'' سے لیا گیا ہے۔

۱۔ نہر سوئز کو انسانی کارنامہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی تعمیر میں بہت منصوبہ بندی اور محنت کی گئی ہے۔ یہ نہر مصر کے جنوب اور مشرق کی طرف پائے جانے والے بحیرۂ احمر کو بحیرۂ روم سے ملاتی ہے۔ اس کے سبب یورپ سے بحری سفر کر کے مشرق آنے والوں کے لیے فاصلے اور وقت، دونوں میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔

۲۔ اس کی تفصیل خط کے پہلے پیراگراف کی آخری سطور میں ہے۔

۳۔ بحری سفر کا فاصلہ اور وقت دونوں گھٹ گئے۔

۴۔ جبل الطور وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ مخاطب ہوئے تھے۔ یہ ساڑھے سات ہزار فٹ سے اوپر بلندی پر واقع ہے۔

۵۔ اس سفرنامے کی انفرادیت اس کا اندازِ تحریر ہے۔ مصنفہ نے آسان زبان میں دلچسپ مقامات کی مختصر تاریخ اور وجہ شہرت بیان کی ہے۔

۶۔ یہ انفرادی مشق ہے، لیکن جماعت میں اسے گروہ کی صورت میں بھی مکمل کیا جاسکتا ہے۔

اقتباس نمبر ۲۳ : ابنِ بطوطہ

اس مضمون کے تعارف میں ابنِ بطوطہ کی زندگی، سفر اور غیر معمولی حالاتِ زندگی پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون کے علاوہ اگر اساتذہ ابنِ بطوطہ کی زندگی کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے طلبا کی رہنمائی کریں تو اُن کی دلچسپی بھی بڑھے گی۔

۱۔ اس سوال کا جواب تعارف میں ملتا ہے۔ ابنِ بطوطہ نے نہ صرف ۷۵ ہزار میل کا سفر کیا، بلکہ اپنے تجربات کو قلم بند کروا کر آنے والی نسلوں کے لیے ایک غیر معمولی خزانہ چھوڑ گئے۔

۲۔ ابنِ بطوطہ کے سفرنامے کا نام ''رحلہ'' ہے۔ ۲۵ سال سفر میں رہنے کے بعد ابنِ بطوطہ اپنے آبائی ملک مراکش لوٹ آئے اور اپنا سفرنامہ تحریر کروایا۔

۳۔ ہندوستان میں محمد شاہ تغلق کی سلطنت تھی۔ ابنِ بطوطہ جب سندھ میں داخل ہوئے تو ان کی آمد کی خبر دہلی میں بادشاہ تک پہنچائی گئی۔ بالآخر جب ابنِ بطوطہ دہلی پہنچے اور دربار میں حاضری ہوئی تو اُنھیں قاضی مقرر کیا گیا۔

۴۔ اس سوال کا جواب عبارت کے پہلے پیراگراف میں ملتا ہے۔ ابنِ بطوطہ نے محمد شاہ تغلق کی حکومت کی تعریف کی ہے، مثلاً کس طرح بادشاہ کو ہر نئے آنے والے کی نقل و حرکت سے آگاہ کیا جاتا تھا۔

۵۔ سندھ میں ابنِ بطوطہ کے لیے ایک دلچسپ واقعہ گینڈے کا سامنا تھا۔ ابنِ بطوطہ نے اس جانور کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

☆ سوال نمبر ۶ اور ۷ انفرادی مشق کے لیے ہیں۔

اقتباس نمبر ۲۴: تخت نشینی

مضمون کے تعارف میں اس عبارت کے متعلق مختصر معلومات درج ہیں۔ تیمور منگول نسب کا سردار تھا اور اسی کی نسل سے مغل سلطنت کے بانی بابر کا شجرہ جا ملتا ہے۔

۱۔ تخت نشینی کے بعد تیمور نے قرآن پاک کھولا اور صفحے کی پہلی آیت کو اپنے لیے نیک شگون سمجھا۔ آیت کا ترجمہ یہ تھا کہ اللہ کُل کائنات کا ملک ہے اور وہ جسے چاہتا ہے اسے بادشاہی عطا کرتا ہے۔

۲۔ امرا کی حلف برداری کے بعد تیمور نے دربار میں موجود تمام لوگوں میں اپنا خزانہ تقسیم کردیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ بادشاہ اپنے ملک میں ہر چیز کا مالک ہوتا ہے۔

۳۔ اس جواب کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا سے جب کبھی کچھ بھی مانگے یا لینا چاہے تو وہ لے سکتا ہے کیونکہ بادشاہ ہونے کے ناتے اسے یہ حق ہے۔ لہٰذا اُس نے جو کچھ رعایا میں تقسیم کیا، وہ دراصل اُسی کا ہے۔

۴۔ تیمور نے عام معافی کا اعلان اس لیے کیا کہ وہ اپنے ملک میں امن و امان چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اس عام معافی سے اس کے مزاج کی عکاسی بھی ہوتی ہے کہ وہ بڑے دل والا تھا اور اپنے لوگوں کو خوش حال دیکھنا چاہتا تھا۔

۵۔ یہ عبارت تیمور کی آپ بیتی یا سوانح حیات (autobiography) سے لی گئی ہے۔ اس سے لکھنے والے کی شخصیت اور مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ تاریخ میں تیمور کو بہت سخت مزاج دکھایا گیا ہے، لیکن اس عبارت سے اس کے مزاج کا ایک مختلف پہلو نظر آتا ہے۔

اقتباس نمبر ۲۵: شاہراہِ قراقرم

۱۔ شاہراہِ قراقرم گلگت بلتستان کے پہاڑی سلسلہ قراقرم کے درّۂ خنجراب سے گزر کر چین میں داخل ہوتی ہے۔ اس شاہراہ کی بلندی ۱۵۴۰۰ فٹ اس کی خصوصیت ہے جو اسے دنیا کی اونچی ترین سڑک بناتی ہے۔

۲۔ یہ شاہراہ ۱۵۴۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اپنی نوعیت کی انوکھی اور پیچیدہ شاہراہ ہونے کے باعث اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ شاہراہِ قراقرم کا پہلا مرحلہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۹ء تک جاری رہا۔

۳۔ شاہراہِ قراقرم جن مقامات سے گزرتی ہے وہ دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلے قراقرم، ہندوکش اور ہمالیہ ہیں۔ یہاں ہر موڑ پر غیر معمولی مناظر ہیں۔ ان علاقوں میں تیز رفتار دریا اور برف زار واقع ہیں۔

۴۔ یہ شاہراہ درّۂ خنجراب سے گزر کر چین سے جا ملتی ہے۔

۶۔ اس سوال کا تفصیلی جواب صفحہ ۴۶ پر عبارت کے تیسرے پیراگراف میں ہے۔ اس علاقے کی بلندی ، برف پوش چٹانیں ، موسم کی سختیاں اور آبادی سے خاصے فاصلے پر ہونے کے سبب ضروریاتِ زندگی اور علاج معالجہ کی مشکلات وہ مسائل ہیں جن کا سامنا کرتے ہوئے یہ سڑک مکمل ہوئی۔

اقتباس نمبر ۲۶: قیامِ پاکستان کے بعد ایک منظر (۱۹۴۷ء کے اواخر میں)

بیگم حمیدہ اختر حسین کی تصنیف ''نایاب ہیں ہم'' سے لیا گیا یہ اقتباس ایک تاریخی دور کی یادگار ہے جب پاکستان ایک نیا ملک تھا اور اس ملک سے سرحد پار اور یہاں رہنے والوں کی امیدیں وابستہ تھیں۔ اس مضمون سے طلبا یہ بھی جانیں گے کہ پاکستان کے اوّلین دور میں لوگوں کو کن مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ، لیکن سب نے خلوصِ دل سے محنت کر کے ملک کو مضبوط کیا۔

۱۔ یہ انتہائی ٹوٹا پھوٹا اور خستہ حال دفتر تھا۔ عبارت کے پہلے پیراگراف میں دفتر کا حال بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ ابراہیم، اختر حسین رائے پوری کے چپراسی تھے۔ اس مضمون میں ان کا نمایاں کردار ہے۔ اُنھوں نے رائے پوری صاحب کے دفتر کو ایک قابلِ قبول جگہ بنایا ، صاف کیا اور ضرورت کی چیزیں مہیا کیں۔

۳۔ بازار سے سامان لانے پر رائے پوری صاحب نے اس لیے اعتراض کیا کیونکہ ان دنوں میں سرکاری دفاتر میں روپے کی کمی تھی اور اخراجات پر قابو میں رکھنا ضروری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ رائے پوری صاحب نے ضروری سامان گھر سے لانے کی ہدایت کی۔

۴۔ ابراہیم کو دیکھ کر دوسرے افسران کے چپراسیوں نے بھی اُنھی کی پیروی کی اور اپنے صاحبوں کے گھر سے ضرورت کا سامان لاکر دفاتر کو قابلِ استعمال بنا لیا۔

۵۔ رائے پوری صاحب کے جملے کا مطلب یہ تھا کہ بلڈنگ ، کمرے اور فرنیچر وغیرہ کام کرنے کے لیے بنیادی ضروریات میں شامل نہیں۔ اصل اہمیت اس کام اور جذبے کی ہے جس کے نتائج مثبت طور پر نظر آئیں گے۔

۶۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۲۷: سندھ میں دیہی بہبود

اس اقتباس کا سیاق و سباق 'تعارف' کی سرخی کے تحت مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ یہ عبارت ڈاکٹر اختر حمید خان کی تصنیف سے لی گئی ہے۔

۱۔ وڈیرا اللہ بخش کے متعلق اختر حمید خان لکھتے ہیں کہ وہ اپنے علاقے کے دوسرے معمر لوگوں سے مختلف نہیں تھے۔ وہ وہاں کے مالدار افراد کی طرح رہتے تھے اور انھیں گوٹھ کا سربراہ منتخب کیا گیا تھا۔ تاہم وہ اپنے گوٹھ کے لوگوں اور ان کی بہتری کے لیے فکرمند تھے۔

۲۔ گوٹھ والوں کا خیال تھا کہ اگر اُن کی آمدنی بڑھے، تنخواہ دار ملازمت ہو اور پانی کی نہر کا انتظام ہو تو ان کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔
۳۔ اختر حمید خان نے اُنھیں بتایا کہ وہ کس طرح اپنی زمین پر کام کر کے نہ صرف اپنی ضرورت پوری کر کر سکتے ہیں بلکہ بازار میں مال فروخت کر کے آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس کام کو شروع کرنے کے لیے اُنھوں نے گوٹھ والوں کے لیے قرضے کا بھی بندوبست کیا۔
۴۔ اختر صاحب کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اللہ بخش اور محمد حسین بڑی لگن اور محنت کے ساتھ کھیتی باڑی میں مصروف رہے اور گوٹھ والوں کو بھی ان کاموں میں شامل کیا۔
۵۔ محمد حسین گوٹھ والوں کے لیے ایک مثال تھے۔ سب کی محنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے مالی حالات بہتر ہونے لگے اور وہ دوسرے گاؤں کے لوگوں کے لیے ایک مثال بن گئے۔
۶۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۲۸: شان الحق حقی

شان الحق حقی ماضی قریب سے تعلق رکھنے والے اُردو کے معروف شاعر، ادیب، مترجم، نقاد اور ماہر لسانیات تھے۔ وہ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو وفات پائی۔

۱۔ شان الحق حقی صاحب کی وجہِ شہرت اُن کا ادیب، شاعر، مصنف، نقاد اور ماہر لسانیات ہونا تھا۔ اُنھیں انگریزی اور اُردو، دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اُنھوں نے انگریزی سے اُردو ایک ضخیم لغت مرتب کی۔ اُنھوں نے نہ صرف بڑوں، بلکہ بچّوں کے لیے بھی لکھا۔
۲۔ حقی صاحب نے میٹرک دہلی سے کیا، بی اے کی سند علی گڑھ سے اور ایم اے کی سند دہلی کے سینٹ اسٹیفنز کالج سے حاصل کی۔
۳۔ شان الحق حقی نے پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز اشتہاری ایجنسی سے کیا، بعد ازاں سرکاری ملازمت بھی کی، ایک ماہنامے کے مدیر اور نشریاتی ادارے سے منسلک بھی رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد برٹس کونسل کی لائبریری سنبھالی، پی ٹی وی سے وابستہ رہے، اور اُردو لغت بورڈ کے لیے بھی کام کیا۔
۴۔ حقی صاحب کو تمغا قائداعظم اور ستارۂ امتیاز سے نوازا گیا۔
۵۔ حقی صاحب نے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کی جامع انگریزی لغت کا ترجمہ اُردو میں کیا ہے۔ اس لغت میں نہ صرف معانی بلکہ الفاظ کے استعمال کی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ یہ یقیناً ایک کارنامہ ہے۔
۶۔ حقی صاحب نے بچّوں کے لیے نظمیں اور پہیلیاں تحریر کی ہیں۔ ''بھائی بھلکّڑ'' ان کی ایک مشہور نظم ہے۔
۷۔ اس سوال پر کلاس میں تبصرہ ہوسکتا ہے جس کے بعد طلبا اپنی رائے کا تحریری اظہار کر سکتے ہیں۔

اقتباس نمبر ۲۹ : شیر دریا

اس سبق کی تدریس سے پہلے اس کا تعارف پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ یہ اقتباس اور اس سے اگلا اقتباس ''آخری پڑاؤ''، رضا علی عابدی کی تصنیف ''شیر دریا'' سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ مصنف دریائے سندھ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے لدّاخ سے چلے اور چٹانوں، وادیوں، میدانوں اور جنگلوں سے گزرتے ہوئے بحیرۂ عرب تک پہنچے۔

۲۔ پہاڑوں میں بلندی کی وجہ سے پانی تیز رفتاری سے وادیوں تک اور پھر میدانوں میں آتا ہے جہاں اس کی رفتار قدرے کم ہو جاتی ہے اور اس کا رقبہ بھی پھیل جاتا ہے۔

۳۔ دریائے سندھ کو لدّاخ میں سنگھے یعنی شیر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دریا تبت میں شیر کے منھ سے نکلتا ہے۔

۴۔ اپشی میں تضاد یہ تھا کہ وہاں اپنے کام سے مطلب رکھنے والے پُرسکون لوگ بھی تھے جبکہ ہندوستانی فوجی غیر ملکیوں کے آنے جانے پر نظر رکھتے تھے۔ ایک طرف اس گاؤں کی لڑکیاں اپنے کام میں مصروف گا رہی ہوتیں تو دوسری طرف فوجی ٹینک گولا باری کی مشق کرتے تھے۔

۵۔ بلتستان کے حالات اس لیے مختلف قرار دیے گئے ہیں کہ وہاں ترقی کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ سیاح اور دوسرے افراد ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کرنے لگے تھے۔ شاہراہِ قراقرم کے فعال ہونے سے تہذیب اور تعلیم میں تبدیلی نظر آنے لگی تھی۔

۶۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۳۰ : آخری پڑاؤ

یہ اقتباس گزشتہ سے پیوستہ ہے۔ دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ مصنف رضا علی عابدی نے سفر جاری رکھا۔ یہ تحریر میدانی علاقوں میں دریا کے سفر سے متعلق ہے۔

۱۔ شمالی علاقوں میں دریا کا مزاج اور رفتار تیز رو تھے جبکہ وادیوں سے گزر کر پنجاب میں اتر آتے ہوئے اس میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

۲۔ رضا علی عابدی نے پنجاب کا ذکر کرتے ہوئے اس علاقے میں ہونے والی ترقی اور اس کے اثرات بیان کیے ہیں۔ مثلاً پل کی تعمیر کے بعد لوگوں کے لیے آمد و رفت آسان ہوئی اور لوگوں نے روایتی زندگی کو چھوڑ کر جدید طرز زندگی کو اپنانے کی کوشش کی۔

۳۔ سندھ میں مصنف نے سکھر، لاڑکانہ، موہن جو دڑو، سہون، ٹھٹھہ اور حیدرآباد شہر دیکھے۔ ٹھٹھہ جو کبھی ایک اہم شہر ہوا کرتا تھا، اب اس کی اہمیت نہیں رہی تھی اور وہ پسماندگی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے برعکس میدانی علاقوں میں، نہروں کے ذریعے پانی حاصل کرکے کامیابی سے زراعت کی جا رہی تھی۔

۴۔ اس سوال کے لیے طلبا کسی دو شہروں پر تحقیق کر کے مختصر انداز میں تبصرہ کر سکتے ہیں، مثلاً سکھر اور لاڑکانہ یا سہون اور ٹھٹھہ پر۔

۵۔ موہن جو دڑو اپنے وقت کی تہذیب اور تعمیری منصوبہ بندی کی ایک شاندار مثال ہے۔ یہاں کی باقیات دیکھ کر اس کے باشندوں کی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے لیے کون سے طریقے اہمیت رکھتے تھے۔ وہاں کی تعمیرات سے ان کی منصوبہ بندی نمایاں ہوتی ہے۔

۶۔ ''زبانیں جدا ہیں، مفہوم ایک ہے'' سے مراد غروبِ آفتاب کے اس منظر کی طرف اشارہ ہے جب پرندے بھی چہچہا رہے ہوتے ہیں اور انسان بھی عبادت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ گویا دونوں اپنے اپنے انداز اور زبان میں اپنے خالق کی عبادت کر رہے ہوں۔

اقتباس نمبر ۱۳: حکیم محمد سعید

۱۔ حکیم سعید ایک بااصول، خدا ترس اور شفیق انسان تھے۔ وہ علم دوست اور انصاف پسند تھے جو اپنے ملک اور نوجوان نسل کے لیے بہترین مستقبل چاہتے تھے۔

۲۔ حکیم سعید نے ہمدرد دواخانہ اور جامعہ ہمدرد قائم کیا، جہاں بیت الحکمت کے نام سے ایک عمدہ کتب خانہ بھی ہے۔ (اس کی تفصیل پہلے اور دوسرے پیراگراف میں ملتی ہے۔)

۳۔ ہمدرد دواخانے کی ابتدا بطور مطب ۱۹۴۸ء میں ہوئی جب حکیم سعید دہلی سے پاکستان منتقل ہوئے اور کراچی میں علاج معالجے کی سہولیات فراہم کرنے کا آغاز کیا۔ ہمدرد دواخانے میں علاج کے علاوہ طبی ادویات بھی تیار کی جاتی ہیں۔ ہمدرد لیبارٹیریز بھی اس دواخانے کا ایک حصّہ ہیں۔

۴۔ حکیم سعید کو پڑھنے لکھنے اور سیر و سفر کا شوق تھا۔ حکیم صاحب نے اُردو اور انگریزی زبان میں کئی سفرنامے، مضامین اور کتابیں تحریر کیں۔

۵۔ مدینۃ الحکمت، جامعہ ہمدرد سے منسلک ہے اور یہ حقیقتاً علم کا شہر ہے جہاں کئی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور مختلف شعبے قائم ہیں۔ (اساتذہ مزید ذرائع سے مدینۃ الحکمت کے متعلق معلومات فراہم کرکے طلبا کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔)

۶۔ حکیم سعید نے مشرقی طب کو ایک مستند طریقۂ علاج کے طور پر اقوامِ متحدہ کے عالمی ادارۂ صحت (WHO) سے قبول کروایا۔ یہ ایک بڑا کارنامہ تھا۔

۷۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۳۲ : کتب خانہ یا انٹرنیٹ

۱۔ گوٹن برگ لائبریری عام کتب خانوں سے یوں مختلف ہے کہ اس لائبریری میں کسی ممبر شپ کی ضرورت نہیں ، نہ ہی اس کے استعمال کے کوئی اوقات ہیں۔ یہ لائبریری انٹرنیٹ پر مفت دستیاب ہے اور یہاں دنیا کی کئی شاہکار اور کلاسک کتابیں موجود ہیں جو انٹرنیٹ سے اُتار کر پڑھی جاسکتی ہیں۔

۲۔ گوٹن برگ کا آغاز ۱۹۷۱ء میں بطور تجربہ ہوا۔ یہ کام امریکہ کی ریاست الینوائے کی جامعہ میں شروع کیا گیا۔ اس کام کا اصل مقصد اہم دستاویزات اور قدیم کتابوں کو محفوظ کرنا تھا۔ اس میں انگریزی کے علاوہ یونانی اور اطالوی کتابیں بھی شامل ہیں۔

۳۔ گوٹن برگ میں صرف ایسی کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں جو کاپی رائٹ سے آزاد ہوں۔ نئی تصانیف پر کاپی رائٹ ایکٹ نافذ ہوتا ہے ، لہٰذا انھیں اس ویب سائٹ پر فراہم نہیں کیا جاتا۔

☆ سوال نمبر ۴ اور ۵ پر کلاس میں گفتگو اور بحث کے بعد نکات جمع کر کے جواب لکھا جاسکتا ہے۔

اقتباس نمبر ۳۳ : کراچی کی تاریخ

۱۔ تاریخ کے مطابق ۳۲۶ قبل مسیح میں یونانی امیر البحر نیارکس کراچی کی بندرگاہ کے آس پاس ہی لنگرانداز ہوا تھا۔ ڈاکٹر این اے بلوچ کے مطابق کراچی کا ذکر تیرھویں صدی عیسوی کی عرب دستاویزات میں بھی موجود ہے۔

۲۔ کراچی کو ترک جہاز رانوں نے ’کورائی‘ ، ’کرازی‘ اور ’کراشی‘ کا نام دیا۔ سندھ کی قدیم تاریخ میں اسے ’کلاچی‘ کہا گیا ہے۔

۳۔ کراچی کی بنیادی اہمیت اس کی بندرگاہ کی وجہ سے تھی۔ اس کے علاوہ کراچی کے گرد و نواح میں قدیم مزار اور مندر ہیں جو مسلمانوں اور ہندوؤں ، دونوں کے لیے دلچسپی کے محور تھے۔

۴۔ عبداللہ شاہ غازی کا تعلق عراق سے تھا۔ انھوں نے اس مقام پر آ کر رہائش اختیار کی۔ یہ واقعہ ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم کی آمد سے بھی پہلے کا ہے۔ عبداللہ شاہ غازی کا مزار کراچی کی ایک نمایاں یادگار ہے ، جو آج کراچی کے علاقے کلفٹن میں شامل ہے۔

۵۔ انیسویں صدی میں سندھ کو مملکت برطانیہ میں شامل کر کے کراچی کو صوبائی دارالحکومت بنا دیا گیا اور اس کی بندرگاہ کو تجارتی آمد و رفت کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

۶۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے نتیجے میں کراچی شہر ہر سمت میں پھیلتا جارہا ہے۔ سمندر کے ساحل کو مسلسل پیچھے کیا جارہا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ زمین پر تعمیرات کی جاسکیں۔

اقتباس نمبر ۳۴ : مولانا جلال الدین رومی

عبارت سے پہلے دیے گئے مختصر تعارف میں مولانا رومی کے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

۱۔ مولانا رومی کو ان کے علم اور علمیت کی وجہ سے شہرت ملی۔ وہ عالم اور فلسفی تھے۔ اُن کے والد بہاؤ الدین رومی ایک نامور عالم تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد جلال الدین رومی نے قونیا کے مدرسے کا انتظام سنبھالا۔

۲۔ مولانا رومی کو شمس الدین تبریزی سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ اُن کے علم و کردار سے بہت متاثر تھے۔ رومی نے اپنے دیوان کا نام ''دیوانِ شمس تبریزی'' رکھ کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ نیز اپنی مشہورِ زمانہ مثنوی میں اپنا تخلص 'شمس' رکھا ہے۔

۳۔ مولانا رومی علم کو ایک وسیع اور گہرے سمندر کی مانند قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر طالبِ علم اس سمندر میں زندگی گزار دے تو بھی وہ سیکھنے سے نہیں تھکتا۔ اس کے علاوہ رومی نے علم کی دو اقسام بیان کیں، ایک علمِ روزگار جو انسان کو روزی کمانے کے لائق بنائے، اور دوسری قسم تحقیقی جسے انسان اپنی زندگی اور دنیا کو سمجھنے کے لیے حاصل کرتا رہتا ہے۔

۴۔ علّامہ اقبال، مولانا رومی اور ان کے علم سے بہت متاثر تھے۔ رومی کی طرح علّامہ اقبال کا بھی ماننا تھا کہ انسان چاہے تو علم اور محنت سے دنیا کو مسخر کرسکتا ہے۔ علّامہ اقبال نے اپنی تصنیف ''جاوید نامہ'' میں اپنے بیٹے کو مولانا رومی کی پیروی کرنے کی تلقین کی ہے۔

اقتباس نمبر ۳۵ : استاد کی عظمت

۱۔ شمس العلما کے لفظی معنی ہیں علم کا سورج۔ جس شخص کا علم سورج کی طرح دوسروں کے ذہنوں کو روشن کر دے، اسے شمس العلما کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ اقبال اپنے استاد سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ میر حسن کی شفقت و محنت، قابلیت اور نیک نفسی کی وجہ سے اقبال اُن کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔

۳۔ اس جملے کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ اقبال کے کلام اور زندگی میں میر حسن کی تعلیمات اور اُن کی شخصیت کے اثرات نمایاں تھے۔ میر حسن کی تعلیم و تربیت نے اقبال کو نکھار دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اقبال کو میر حسن کی بڑی تصنیف کہا جاتا ہے۔

۴۔ اس جملے میں اشارہ یہ ہے کہ میر حسن لوگوں کی فطرت، یعنی ان کے مزاج اور کردار کو اس طرح سمجھ سکتے تھے جس طرح کوئی حکیم نبض دیکھ کر مریض کی بیماری کو سمجھ لیتا ہے۔

۵۔ مولوی صاحب کی کم عمری ان کی پیشہ ورانہ زندگی میں حائل نہیں ہوئی کیونکہ وہ سنجیدہ، باوقار اور مزاج میں ٹھہراؤ رکھنے والے استاد تھے۔ اُنھوں نے بہت خوش اسلوبی سے اپنی ذمّہ داریاں نبھائیں۔

۶۔ اس سوال کا جواب لکھنے سے پہلے جماعت میں اس موضوع پر گفتگو کرنا بہتر ہوگا۔ جو نکات سامنے آئیں، اُن کی روشنی میں جواب لکھا جائے۔ مختصراً یہ کہ میر حسن ایک ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کا کردار اور طرز زندگی اُن کے تمام دوست احباب اور طلبا کے لیے ایک مثال تھے۔ چونکہ اُنھوں نے کبھی مذہب کی بنا پر تفریق نہیں کی، لہٰذا ہر شخص اُن سے عقیدت رکھتا تھا۔ یہ بات میر حسن کی وفات اور آخری رسومات میں واضح ہوگئی۔

اقتباس نمبر ۳۶ : پاکستان کے شمالی علاقوں کی سیر

یہ اقتباس ادا جعفری صاحبہ کی تصنیف ''جو رہی سو بے خبری رہی'' سے لیا گیا ہے۔ ادا جعفری ۲۲ اگست ۱۹۲۴ء کو بدایوں، ہندوستان میں پیدا ہوئیں اور اُن کا انتقال ۱۲ مارچ 2015ء کو کراچی میں ہوا۔

۱۔ طلسماتی ماحول یعنی جادو کا سماں، جس پر غیر حقیقی یا حقیقت سے زیادہ خوبصورت، غیر معمولی ہونے کا گمان ہو۔

۲۔ یعنی وہ مناظر جو سفر کے دوران بہت دور نظر آ رہے تھے رفتہ رفتہ وہ قریب آتے گئے اور مسافر اپنی منزل تک پہنچ گئے۔

۳۔ ایبٹ آباد کی سڑک کو ہوا میں اُڑتے ہوئے سفید آنچل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پہاڑی راستوں پر بل کھاتی سڑک دور سے ایسی ہی نظر آ رہی تھی۔

۴۔ بالاکوٹ میں جو دو دلچسپ مقام تھے ان میں سے ایک تو حضرت اسماعیل شہید کا مزار تھا اور دوسرے وہ دریا جسے ''نین سکھ'' کہتے ہیں اور جس کے پانی سے آنکھوں کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

اقتباس نمبر ۳۷ : یادیں

۱۔ بچپن میں ہر چیز خود سے بہت بڑی نظر آتی ہے، قد میں، جسامت میں، اور عمر میں بھی۔ جوانی میں یہ باتیں یاد کر کے اور وہی چیزیں دیکھ کر، دیکھنے والا خود کو ان کے مقابلے میں برابر پاتا ہے۔ مصنفہ نے اس کیفیت کا موازنہ انگریزی ادب کی مشہور کتاب ''گلیورز ٹریولز'' کے مرکزی کردار گلیور سے کیا ہے۔

۲۔ مصنفہ کی بچپن کی یادیں بڑی خوش گوار ہیں۔ اُنھوں نے بہت محبت اور دلچسپ انداز سے اپنے بچپن سے وابستہ لوگوں، مقامات اور حالات کو یاد کیا ہے۔

۳۔ جب رنگین روشن دانوں سے کمرے میں روشنی آتی تھی تو رنگ بکھر جاتے تھے اور طلسمی فضا یعنی جادوئی منظر پیش کرنے لگتے تھے۔

۴۔ جنگی شاہ ایک خوش مزاج اور امن پسند شخص تھا جو خالہ کے گھر ملازم تھا۔ وہ کسی جنگ کے دوران پیدا ہوا تھا، لہٰذا اس کے والدین اسے اسی نام سے پکارتے تھے۔ آخر کار یہی اس کا نام ہو گیا۔

۴۔ انفرادی جواب۔

اقتباس نمبر ۳۸ : فیض احمد فیضؔ

فیض احمد فیضؔ کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کے متعلق ایک مختصر تعارف مضمون سے پہلے دیا گیا ہے۔

۱۔ اس سوال کا جواب تعارف میں موجود ہے۔

۲۔ فیض نے ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی پسند مصنّفین کی پنجاب شاخ کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۴۱ء میں ان کے کلام کا پہلا مجموعہ ''نقشِ فریادی'' کے نام سے شائع ہوا۔ ۱۹۴۷ء وہ ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' کے مدیر بنے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ریڈیو کے لیے ڈرامے بھی تحریر کیے۔

۳۔ فیض نے درس و تدریس سے پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا۔

۴۔ فیض نے بطور صحافی کئی سال کام کیا۔ وہ انگریزی روزنامے ''پاکستان ٹائمز''، اُردو روزنامے ''امروز'' اور ہفت روزہ ''لیل و نہار'' کے لیے فیض لکھتے رہے۔ وہ ایک ترقی پسند انسان تھے جو محنت کشوں، کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کے لیے کام کرتے تھے۔ ان کی سربراہی میں جاری ہونے والے ''پاکستان ٹائمز'' کو ایشیا کا بہترین اخبار کہا جاتا تھا۔

۵۔ فیض احمد فیض اپنے خیالات اور تصورات کے لیے مشہور ہوئے۔ وہ ترقی پسند تحریک میں پیش پیش تھے اور مزدوروں، کسانوں، محنت کشوں کے حقوق کی حمایت کرتے تھے۔

۶۔ فیض پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن سے منسلک تھے اور محنت کشوں کے حقوق کے علم بردار تھے۔ اسی وجہ سے حکومت وقت سے اختلافات بھی تھے اور وہ کئی بار قید بھی کیے گئے۔ اسی دوران انھوں نے بہترین نظم و نثر بھی تحریر کی جس پر ۱۹۶۳ء میں انھیں لینن پرائز دیا گیا۔ فیض نے کئی سال ملک سے باہر گزارے۔

۷۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۳۹ : روبوٹ

۱۔ روبوٹ چیکوسلواکیہ کی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہے جبری محنت۔

۲۔ روبوٹ کا تصور نیا نہیں کیونکہ قدیم مصری اور یونانی روایتوں میں ایسے بتوں کا ذکر ہے جو بول سکتے اور چل سکتے تھے۔ خود کار آلات مثلاً گھڑی، اس تصور کی ایک علامت ہے۔ مزید مثالیں عبارت میں دی گئی ہیں۔

۳۔ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے آج کل روبوٹ سے کئی کام لیے جاتے ہیں۔ صنعت میں، فیکٹریوں، گاڑیوں میں ان کے پرزے اور اجزا جیسا کہ دروازے وغیرہ جوڑنے اور ایسے کاموں کے لیے جنھیں خود انجام دینے میں انسان کے لیے خطرہ ہو، روبوٹ استعمال کیے جاتے ہیں۔

۴۔ اس سوال کے جواب کے لیے جماعت میں گفتگو کی جاسکتی ہے۔ مثلاً روبوٹ کو مشینی کاموں کے لیے استعمال کرنے سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی خطرہ ہو تو انسان اس سے محفوظ ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ لگاتار یکسانیت والے کام

سے انسان اکتا جاتا ہے اور توجہ بھی متاثر ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے کام بھی روبوٹ سے کروائے جا سکتے ہیں۔ وہی وقت انسان کسی مفید اور تخلیقی کام میں گزار سکتا ہے۔

۵۔ آخری دو جملوں کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم ایسے روبوٹ ایجاد کرنا چاہتے ہیں جن میں مصنوعی ذہانت (artificial intelligence) ہو اور وہ کچھ فیصلے خود کر سکیں یعنی اپنے ''پروگرام'' کرنے والے کے محتاج نہ ہوں تو کیا ہم نے اس کے نتائج کے متعلق بھی سوچا ہے؟ یہ سوال ایک مثبت بحث کے لیے اچھا عنوان ہے۔

اقتباس نمبر ۴۰ : گندھارا تہذیب

۱۔ گندھارا شمالی پاکستان میں ایسے مقام پر واقع ہے جہاں چار سمت سے راستے ملتے ہیں۔ کئی ہزار سال مختلف علاقوں کے لوگ یہاں سے گزرتے رہے اور کچھ یہاں بس بھی گئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ہر قوم نے اپنی تہذیب، ثقافت اور زبان کا کچھ حصّہ یہاں چھوڑا۔ ان میں وسطی ایشیا سے کشن، یونان سے سکندر اعظم اور اس کی فوج، ہندوستان سے موریہ شاہی کا اشوکا اور وسطی اور مغربی ایشیا کی قومیں/ فوجیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ چین سے تاجر، بدھ راہب اور سیاح بھی یہاں آتے جاتے رہے۔

۲۔ کشن وسطی ایشیا سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ یہ لوگ بدھ مذہب کی پیروی کرتے تھے اور اس حوالے سے انھوں نے بدھ عبادت گاہیں اور اسٹوپا تعمیر کروائے۔ انھوں نے حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں تاجروں کی آمدورفت سے فائدہ بھی اٹھایا۔ یوں گندھارا مشہور ہو گیا اور مزید لوگ یہاں آنے لگے۔

۳۔ سکندر اعظم کو اس لیے اہمیت دی گئی ہے کیونکہ اُس نے یونان اور روم کی تہذیب سے گندھارا کو متعارف کیا۔ اس کے علاوہ یونانی فوج کے کچھ سپاہی اور سکندر کے مقرر کردہ افسر یہاں ٹھہر گئے اور اس مقام پر حکومت بھی کی۔ ان کی تعمیر کردہ عمارات کی نشانیاں آج بھی ملتی ہیں۔

۴۔ اس سوال کا جواب پوری عبارت سے ملتا ہے اساتذہ طلبا کے ساتھ اسے پڑھ کر نشاندہی کر سکتے ہیں۔

۵۔ ٹیکسلا کے علاوہ گندھارا تہذیب کے باقیات بتکارہ، تخت باہی اور وادیِ سوات میں پائے جاتے ہیں۔

۶۔ انفرادی جواب۔

اقتباس نمبر ۴۱ : بلوچستان

۱۔ مصنف کا خیال ہے کہ کسی مقام کو واقعی قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کے لیے زمینی سفر یعنی گاڑی یا بس کے ذریعے سفر کرنا چاہیے۔

۲۔ اس جملے سے یہ مراد ہے کہ اکثر لوگ کوئٹہ کو بلوچستان کی مکمل نمائندگی کی مثال سمجھتے ہیں لیکن یہ درست نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوبائی دارالحکومت اور اس صوبے کا سب سے بڑا شہر ہونے کے ناتے یہاں بلوچوں کے علاوہ دیگر تمام اقوام کے افراد بھی پائے جاتے ہیں۔

۳۔ کوئٹہ کے علاوہ دیگر چھوٹے شہروں کو مصنف نے قصبے اس لیے کہا کہ وہاں آبادی نہ صرف کم ہے بلکہ صرف مقامی لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ وہاں سہولیاتِ زندگی اور ادارے بالکل واجبی ہیں اور کچھ مقامات پر قبائلی سرداروں اور ان کے اقتدار کی واضح علامتیں ہیں۔

۴۔ بلوچستان کی آبادی جن لوگوں پر مشتمل ہے اس کی تفصیل صفحہ ۴۷ کے دونوں پیراگراف میں پائی جاتی ہے۔

۵/۶۔ دونوں سوالات انفرادی مشق ہیں۔ سوال نمبر ۶ کے لیے اساتذہ عبارت کے اہم نکات کی نشاندہی کروائیں۔

اقتباس نمبر ۴۲ : غالبؔ کی ادبی زندگی

یہ عبارت مشہور شاعر غالبؔ کی ادبی زندگی کے متعلق ہے کہ وہ ذاتی زندگی میں کن مسائل کا شکار رہے اور کس طرح اُنھوں نے انیسویں صدی کے دہلی میں خود کو منوایا۔

۱۔ غالب نے اپنے اشعار کا ایک مجموعہ ۱۸۲۱ء میں مرتب کیا، ۱۸۲۵ء میں فارسی خط نویسی پر ایک کتابچہ ''پنج آہنگ'' شائع کروایا اور ۱۸۲۸ء میں اُردو اور فارسی کلام کا مجموعہ شائع کروایا۔

۲۔ دیوانِ غالب ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا اور اس قدر مقبول ہوا کہ تمام کتابیں فوراً بک گئیں۔ ۱۸۴۷ء میں دوبارہ اشاعت ہوئی لیکن غالب کو خود یہ گلہ تھا کہ انھیں ایک بھی کاپی نہیں ملی۔

۳۔ غالب کا مقام دیکھتے ہوئے نئے شاعر اُنھیں اپنا کلام دکھاتے اور اُن کی رائے لیتے تھے۔ غالب بھی بہت دلچسپی سے اُن کی رہنمائی کرتے اور جہاں ضروری ہو وہاں سخت تنقید بھی کرتے تھے۔ غالب دوسرے ادیبوں اور شاعروں کی تصانیف پر مقدمہ بھی تحریر کرتے تھے۔

۴۔ شاعری کے علاوہ غالب کی خط و کتابت کا انداز بہت منفرد اور دلچسپ تھا۔ وہ ایک بے تکلّف گفتگو کے انداز میں خط لکھتے تھے۔ غالب کے خطوط کا مجموعہ ''مکتوبِ غالب'' پڑھنے کے قابل ہے۔

۵۔ غالب کا جو شعر اس عبارت میں شامل کیا گیا ہے وہ اُن کی بلند پایہ شاعری اور مختلف اندازِ بیاں کی عکاسی کرتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غالب اپنے عہد اور اُردو شاعری میں غیر معمولی مقام رکھتے ہیں۔

۶۔ غالب نے اپنی زندگی میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس کے نتائج دیکھے اور سہے۔ اُن کا شہر دہلی تباہ ہو گیا اور اُنھیں کچھ عرصے کے لیے شہر چھوڑنا پڑا۔ دوسرے شعرا کی طرح غالب نے بھی یہ دکھ اور پریشانیاں دیکھیں۔ اس سے متعلق ان کا ایک مشہور شعر ہے کہ:

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

اپنی تہذیب کی تباہی دیکھ کر وہ بہت آزردہ ہوئے تھے۔

اقتباس نمبر ۴۳ : علّامہ اقبال

۱۔ علّامہ اقبال (جو اپنی پی ایچ ڈی سند کے باعث ڈاکٹر اقبال بھی کہلاتے ہیں) کے کردار و شخصیت پر ان کے والدین اور ان کے گھر کا ماحول کا بہت اثر ہوا۔ ان کے والد درویش مزاج اور والدہ نیک سیرت اور عبادت گزار تھیں، لہٰذا انھیں مذہبی ماحول میسر آیا۔

۲۔ اقبال کے والد زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن دین و مذہب سے گہری دلچسپی اور عقیدت رکھتے تھے۔ اس کا اثر اقبال کے اعتقاد سے واضح ہے۔ اُن کے والد نے ایک سادہ زندگی گزاری، جہاں زندگی کی ضروریات تو پوری ہوتی تھیں مگر بے جا دولت اور تکلفات کی جگہ نہیں تھی۔ اقبال کی والدہ بھی بہت نیک، مومن اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ والدین کے اقدار اور طرزِ زندگی نے اقبال پر گہرا اثر چھوڑا۔

۳۔ علّامہ اقبال اپنے والد کی طرح عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ وہ درویشی صفات کے حامل تھے اور مسلمانوں کو ایک بار پھر عروج پر دیکھنا چاہتے تھے۔

۴۔ اس عبارت میں اور خصوصاً آخری دو پیراگراف میں اقبال کے اعتقاد اور اقدار کی گہرائی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات پاک ایک واضح مثال تھی جس کا ثبوت اقبال کی شاعری میں بار بار ملتا ہے۔

۵۔ اساتذہ اہم نکات کی نشاندہی کروائیں تاکہ طلبا خلاصہ لکھیں۔

اقتباس نمبر ۴۴ : میرا وطن، میرا گھر

۱۔ اس سوال کا جواب اخذ کرنے کے لیے مضمون پڑھ کر اس پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔ مصنفہ اپنے ملک کے لیے جو جذبہ اور محبت رکھتی ہیں وہ ان کی تحریر سے واضح ہے اور پڑھنے والے کو متاثر کرتا ہے۔

۲۔ لاہور کی نہ صرف ایک طویل تاریخ ہے بلکہ مغلیہ دور میں دارالحکومت اور پھر ایک اہم شہر کی حیثیت سے یہ شہر اس دور کی نشانی ہے۔

۳۔ مصنفہ نے پاکستان کی عام محنت کش آبادی اور جوانوں کو اس ملک کی اصل دولت یا سرمایہ قرار دیا ہے کیونکہ وہ سادہ، محنت کش، خوش مزاج اور مددگار لوگ ہیں۔ مصنفہ کا نظریہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بہترین سہولتیں اور تعلیم کے مواقع دیے جانے چاہئیں تاکہ وہ خود بھی ترقی کریں اور ملک بھی۔

۴۔ یہ آخری جملہ نہ صرف ایک حقیقت ہے بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے ایک تاکید بھی ہے کہ اگر ہم اپنے ملک اور قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم اس کام میں اپنا کردار اور ذمّہ داری ادا کریں۔ یہ ملک ہماری پہچان ہے اور ہمارا گھر ہے۔

۵۔ انفرادی جواب۔

اقتباس نمبر ۴۵: سیف الملوک کی سیر

یہ عبارت ادا جعفری صاحبہ کی تصنیف ''جو رہی سو بے خبری رہی'' سے ماخوذ ہے۔

۱۔ راستہ خطرناک ہونے کا پہلا ثبوت یہ تھا کہ اگلی گاڑی یوں نظر آ رہی تھی جیسے وہ کسی دیوار پر چڑھ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر مصنفہ دعاؤں میں مشغول ہوگئیں اور حفاظت کے خیال سے بچّوں کو اپنے قریب کرلیا۔

۲۔ ایک طرف بزرگ افراد سفر کے خطرات سے خوفزدہ تھے تو دوسری طرف بچّے خطرات کو مذاق سمجھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اگر دریا میں گر جائیں تو بہتے ہوئے سیدھا کراچی پہنچ جائیں گے۔

۳۔ سیف الملوک کے راستے میں برف زار (glaciers) پائے جاتے ہیں۔ ان پر گاڑی چلانے کے لیے تجربے اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں برف سخت ہو چکی تھی وہاں سوکھی ٹہنیاں اور شاخیں بچھا کر آہستہ آہستہ گاڑی کو آگے بڑھایا گیا۔ اس طرح یہ راستہ بہت طویل ہو گیا۔

۴۔ جھیل سیف الملوک کی خوبصورتی کو یوں بیان کیا گیا:

(i) پھر ہم رنگ و نور کی ایسی دنیا میں پہنچ گئے جہاں پلک جھپکنا آنکھ کی تقصیر معلوم ہو۔

(ii) وہاں کے سبزے اور پھولوں کی تعریف کی گئی ہے۔

(iii) جھیل کا نیلا پانی ہمیں تک رہا تھا۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی آلودگی سے پاک اور شفاف تھا۔)

۵۔ اساتذہ کی رہنمائی میں طلبا اس کہانی کی تفصیل جمع کر کے ایک چارٹ پر پیش کر سکتے ہیں۔ تصویر بھی بنا سکتے ہیں۔

۶۔ چونکہ سیف الملوک اور پریوں کی شہزادی کا قصہ اس جھیل سے وابستہ ہے تو مصنفہ نے اسی حوالے سے وہاں سے اُٹھائے ہوئے پتھروں کے کھو جانے پر کہا کہ شاید پریاں وہ پتھر واپس وہیں لے گئیں جہاں سے وہ اُٹھائے گئے تھے۔

اقتباس نمبر ۴۶: حسن علی آفندی

یہ عبارت سندھ کے ایک تاریخی رہنما کے متعلق ہے جن کی بصارت اور محنت کے نتیجے میں کئی نسلیں فائدہ اٹھا چکی ہیں اور اُٹھا رہی ہیں۔ یہ سندھ مدرسۃ الاسلام کے بانی حسن علی آفندی ہیں۔

۱۔ اس سوال کا جواب عبارت کے پہلے پیراگراف سے لیا جا سکتا ہے جو آفندی کی ابتدائی تعلیم، مقام اور تاریخ پیدائش وغیرہ کے متعلق ہے۔

۲۔ حسن علی آفندی نے وقت کی ضرورت دیکھتے ہوئے مادری زبان اور فارسی میں تعلیم حاصل کی اور قرآن شریف بھی پڑھا۔ وہ حیدرآباد سے کراچی آئے اور ملازمت کا آغاز جھرک سے کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی اور انگریزی بھی سیکھی جو اُن کے لیے مفید ثابت ہوئی۔

۳۔ سندھ مدرسۃ الاسلام کے انعقاد کا مشورہ سیّد امیر علی کا تھا کہ اندرونِ سندھ نوجوانوں کے لیے تعلیم کا کوئی مرکز قائم کیا جائے۔ خود آفندی کو بھی یہ احساس تھا کہ سندھ کے باشندوں کے لیے ادارہ قائم کریں تا کہ وہ بھی دوسرے صوبوں کے جوانوں کی طرح اپنا مستقبل سنوار سکیں۔

۴۔ سندھ مدرسہ کی بنیاد رکھے جانے کے بعد اسے معیاری درجے تک لانے کے لیے حسن علی آفندی نے ہندوستان کی مختلف ریاستوں کا دورہ کیا ، وہاں کے تعلیمی اداروں کا تجزیہ کیا اور علما سے مشورے کیے۔ اُنھوں نے بڑے شہروں کے رئیس ، تعلیم یافتہ اور پُر خلوص شخصیات سے مالی امداد طلب کی۔ آفندی نے عام شہریوں سے بھی معاونت کی درخواست کی اور امیر ریاستوں کے سربراہوں سے عطیات اور دیگر امداد حاصل کی۔ (سبق میں چند نامور سربراہان کا ذکر ہے ، اُن کے نام دیے جاسکتے ہیں۔)

۵۔ خیر پور کے نواب میر فیض محمد خان نے خیر پور ہاؤس کے نام سے ہوسٹل اور ایک مسجد کی تعمیر کروائی اور طلبا کے لیے سالانہ وظیفہ قائم کیا۔

۶۔ حسن علی آفندی نے ان تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ کراچی کی فلاح و بہبود اور یہاں کے ضرورت مند افراد کے لیے فلاحی کام کیے۔

☆ اساتذہ کے لیے مشورہ : طلبا میں صدق دل سے عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لیے محنت کرنے والی دیگر شخصیات سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی مزید جستجو اور دلچسپی پیدا کیجیے۔

اقتباس نمبر ۷ ۴ : ماضی کی ایک جھلک

یہ عبارت برصغیر کی تقسیم سے پہلے کے زمانے کے متعلق ہے کہ کس طرح ایک خاندان تحریک آزادی اور اس کے نتائج کی الجھنوں میں مبتلا تھا۔ یہ مشہور ناول نگار خدیجہ مستور کی تصنیف ’آنگن‘ سے ماخوذ ہے۔

۱۔ عالیہ کے چچا تحریکِ آزادی کی سرگرمیوں میں اس قدر شامل تھے کہ اُنھوں نے اپنے خاندان اور گھر کی ضروریات اور دیکھ بھال سے زیادہ توجہ اس تحریک اور سیاست کو دی۔ اس کے نتیجے میں اُنھیں مختلف نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

۲۔ تیسرے پیراگراف کے آخری تین جملے بڑی چچی کو کیفیت کو بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے شوہر کے بلند خیالات وتصورات کے نتائج خاموشی سے برداشت کر رہی تھیں۔

۳۔ بڑے چچا کی سیاسی زندگی نے ان کے خاندان پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ وہ اپنی ذمّہ داریوں کو نظر انداز کر کے صرف بعد از آزادی کے تصور میں کھوئے ہوئے تھے۔ اُن کے مالی حالات بھی بگڑتے جا رہے تھے۔

۴۔ عالیہ کا اپنے چچا سے رشتہ دو پہلو رکھتا تھا۔ وہ ایک طرف تو اپنے والد کی طرح چچا سے بھی تہِ دل سے محبت کرتی تھی ، دوسری طرف اسے یہ دیکھ کر دُکھ ہوتا تھا کہ چچا صرف سیاست میں اُلجھ کر اپنی نجی اور گھریلو ذمّہ داریوں سے دست بردار ہو گئے تھے جس کی وجہ سے گھر کا ماحول پریشان کن اور تکلیف دہ تھا۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

۵۔ پہلے جملے میں مصنفہ نے عالیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اسے گھر کے حالات معلوم ہو گئے''۔ پھر گھر کے حالات کو اور ان کے اثرات کی تصویر کشی کی گئی ہے اور اس حوالے سے عالیہ کے نظریے اور خیالات کو بیان کیا گیا ہے۔ جب انسان ایسے حالات سے گزرتے ہیں اور ایک جذباتی کش مکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو نوجوانی میں بھی ان پر وہ کچھ گزرتا ہے جو عموماً پختہ عمر کے تجربات کا حصّہ ہوتا ہے۔ اس لیے عالیہ کا بچپن جلد ختم ہو گیا۔

اقتباس نمبر ۴۸ : دیوسائی کی سیر

پاکستان کے شمالی علاقے ایک عجوبے سے کم نہیں۔ یہاں فلک بوس پہاڑ، طویل و عریض برف زار، خوبصورت تالاب اور ہزاروں فٹ کی اونچائی پر وادیاں اور میدان ہیں۔ دیوسائی ان میں سے ایک ایسا میدان ہے۔

۱۔ دیوسائی کا میدان قراقرم کے قریب ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کے مغربی حصے میں واقع ہے۔

۲۔ دیوسائی تک پہنچنے کے لیے ہوائی سفر کا انتظام ہے جو گرمیوں میں بہت مقبول طریقۂ سفر ہے۔ دوسرا طریقہ بذریعہ سڑک ہے۔ دونوں کی پہلی منزل اسکردو ہے۔ یہاں سے دیوسائی کا سفر جیپ کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اسکردو بلتستان کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہ علاقہ قدرتی مناظر خصوصاً پہاڑی علاقوں کی خصوصیات سے مالا مال ہے۔ کوہ پیما دنیا بھر سے یہ چوٹیاں سر کرنے کے لیے گرمی کے موسم میں یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسے ''کوہ پیماؤں کی جنت'' کہا جاتا ہے۔

۴۔ دیوسائی کا راستہ خطرناک بھی ہے اور بے حد خوبصورت بھی، جہاں ہر موڑ پر ایک دل فریب نظارہ ملتا ہے۔ آگے اونچی پہاڑی چوٹیاں ہیں جو بادلوں میں چھپ جاتی ہیں۔ کہیں شفاف جھیلیں اور کہیں پھولوں کے وسیع میدان نظر آتے ہیں۔

۵۔ دیوسائی کے قدرتی نظارے، یہاں کی آب و ہوا، نباتات اور سبزہ، اور اس بلندی پر پائے جانے والے جانور سیاحوں کے لیے ایک پُر لطف تجربہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ شمال سے جنوب کی طرف جانے والے پرندوں کی گزر گاہ بھی ہے۔ قدرتی مناظر میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے دیوسائی اور اس کے گرد و نواح اہمیت رکھتے ہیں۔

۶۔ اس عنوان پر پہلے جماعت میں گفتگو کروائی جائے۔ شمالی علاقوں کے علاوہ پاکستان میں اور کون سے مقام ہیں جو سیاحوں کے لیے دلچسپی رکھتے ہیں؟ حکومت اور نجی اداروں کو سیاحت کے فروغ کے حوالے سے کیا کرنا چاہیے؟ ان سوالات پر مشورہ لیا جائے اور سوال کا جواب لکھا جائے۔

۷۔ انفرادی مشق۔ حصّہ دوم ''تلخیص'' سے اس کام کے لیے اہم ہدایات اور نکات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

اقتباس نمبر ۴۹ : ملّا نصیر الدین

ملّا نصیر الدین ایک روایتی کردار ہیں۔ ان سے منسوب کہانیاں اور کہاوتیں، حکایتوں کی مانند ہیں۔ ان میں سبق بھی ہے اور مزاح بھی۔

۱۔ اس واقعے کا مفہوم یہ ہے کہ دوست کی بات کا اعتبار کیا جائے ، نیز دوست بھی خود کو قابلِ اعتبار ثابت کرے۔
۲۔ ظاہر ہے سرکہ پرانا ضرور تھا مگر مقدار میں کم۔ اگر ملّا نصیر الدین اسے بانٹتے رہتے تو وہ چالیس سال تک باقی نہ رہتا۔
۳۔ ملّا نصیر الدین ایسی شخصیت ہیں جن میں وہ تمام صفات ہیں جو سچ سے پردہ اُٹھاتی ہیں ، لیکن اس انداز میں کہ کسی پر الزام نہ آئے۔ لہٰذا ہر دور میں ایسے شخص یا کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ٹی وی کے ڈرامے ، ریڈیو کے خاکے ، اخبار کے کالم اور کبھی اسٹیج شو بھی یہ کردار ادا کرتے ہیں۔
۴۔ اقتباس کے آخری دو پیراگراف کی مدد سے اس سوال کا جواب اخذ کیا جاسکتا ہے۔
۵۔ انفرادی مشق۔

اقتباس نمبر ۵۰ : وقت زندگی ہے

وقت کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے ، لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو وقت کی قدر و قیمت کو جانتے ہوئے بھی اسے گنوا دیتے ہیں۔ اس عبارت میں وقت کا صحیح استعمال کرنے کے لیے تدابیر دی گئی ہیں۔ یہ مشورے صرف طلبا کے لیے ہی نہیں ، بلکہ سب ہی پڑھنے والوں کے لیے مفید ہیں۔

۱۔ وقت کی قدر و قیمت کی مثال اس شے کی نایابی سے دی گئی ہے۔ وقت نہ ذخیرہ کیا جاسکتا ہے ، نہ اسے پیشگی خرچ کیا جاسکتا ہے اور نہ روکا جاسکتا ہے۔
۲۔ وقت کے تین زاویوں میں ''حال'' سب سے اہم ہے ، اس لیے کہ ''ماضی'' تو گزر چکا ہے اور لوٹ کر نہیں آئے گا ، جبکہ ''مستقبل'' پر کسی کو قابو نہیں۔ صرف ''حال'' ہی ہر شخص کی گرفت میں ہے اور اس کا صحیح استعمال ضروری ہے۔

اقتباس نمبر ۵۱ : مشترکہ ورثہ

اس تحریر کے متعلق ایک تعارفی تحریر دی گئی ہے جس میں مصنفہ بیگم شائستہ اکرام اللہ کی زندگی کے بارے میں مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ یہ عبارت مصنفہ کی آپ بیتی کا حصّہ ہے جس میں انھوں نے چند اہم واقعات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ ذاتی تعلقات (personal relationships) کے متعلق بیگم شائستہ اکرام اللہ کا کہنا ہے کہ دوستی اور انفرادی تعلقات سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔ خصوصاً دوسرے ممالک اور ثقافت ، اور سفارتی تعلقات کے حوالے سے یہ خصوصیات بہت اہمیت رکھتی ہیں اور غلط فہمی اور خلش کو دور کرتی ہیں۔
۲۔ بیگم اکرام اللہ سیاسی پس منظر کی حامل تھیں اور ان کا خاندان قبل از تقسیم تحریکِ آزادی میں شامل رہا تھا۔ مشرقی ہندوستان میں جہاں مختلف سیاسی جماعتیں مصروفِ عمل تھیں ، ان کے خاندان کی کسی سے مڈبھیڑ نہ ہوئی اور نہ دوستی پر اثر پڑا کیونکہ ان کے والد ہر قوم اور طبقے سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اس کا اثر بیگم اکرام اللہ کی شخصیت پر بھی ہوا۔

۳۔ بچپن کے انگریز ساتھیوں سے تعلقات برقرار رہنے کی یہ مثال ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ کئی سال بعد بھی بیگم اکرام اللہ سے رابطے میں تھے اور ان کی بیٹی کی شادی میں شریک بھی ہوئے۔
۴۔ وقت اور فاصلے سچی دوستی میں حائل نہیں ہوتے۔ سچے دوست ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھتے ہیں اور جب بھی ملیں یا رابطہ کریں تو سلسلہ وہیں سے جڑتا ہے جہاں رک گیا ہو۔
۵۔ یہ ایک انفرادی جواب ہوگا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بچّوں کے دوستی کرنے اور اچھے دوستوں کا انتخاب کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ ایسی دوستیاں عمر بھر قائم رہتی ہیں اور اچھا دوست ایک نعمت ہوتا ہے۔

اقتباس نمبر ۵۲ : بیگم شائستہ اکرام اللہ کی یادیں

یہ عبارت بھی بیگم اکرام اللہ کی آپ بیتی سے ماخوذ ہے۔ پہلی عبارت کا انداز و مزاج مختلف تھا۔ یہ عبارت ان واقعات کے متعلق ہے جو بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائیوں کے دوران رونما ہوئے۔

۱۔ انگلستان سے تعلیم مکمل کر کے آنے پر بیگم اکرام اللہ نے برصغیر میں سیاست اور تحریکِ آزادی کو سرگرم پایا۔ اپنی اُٹھان اور نظریے کے باعث وہ بھی سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئیں اور مسلم لیگ کی رکنیت حاصل کی۔
۲۔ مسلم لیگ سے وہ اس لیے وابستہ ہوئیں کہ انھیں قائداعظم کے نظریے سے انھیں اتفاق تھا یعنی آزادی کی تحریک میں تین حریف تھے، انگریز، مسلم اور ہندو نہ کہ صرف انگریز اور ہندوستانی۔
۳۔ شملہ میں خواتین کے کلب میں ہونے والی تقریب میں مسلم لیگ کی رکن ہونے کے سبب بیگم اکرام اللہ کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ اس واقعے سے ثابت ہوا کہ ہندو مسلم قوموں کے باہمی تعلقات میں سیاست نے کتنے بڑے اور گہرے شگاف ڈال دیے تھے۔
۴۔ مسز نائیڈو کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ بیگم اکرام اللہ کے گھر پہنچیں اور ان کو ساتھ لے کر رکشے پر سفر کیا تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ دوستی اور گہرے تعلقات پر سیاست اور مذہب کا اثر نہیں ہوتا۔

اقتباس نمبر ۵۳ : نیلسن منڈیلا ۔ ایک عالمی شخصیت (حصّہ اوّل)

یہ اور اگلا اقتباس بیسویں صدی کی ایک غیر معمولی شخصیت اور سیاسی رہنما نیلسن منڈیلا کے متعلق ہے۔

۱۔ نیلسن منڈیلا اپنی زندگی میں بہت اونچ نیچ دیکھی۔ آزادی اور مساوی حقوق کی جدوجہد کے لیے انھیں طویل عرصہ قید تنہائی میں گزارنا پڑا اور تکالیف اُٹھائیں۔ لیکن انھوں نے نہ اپنے اصول چھوڑے نہ اپنا مقصد بدلا، بلکہ جب رہائی ملی تو انھوں نے اپنے حق چھیننے والوں کو معاف کر دیا تاکہ جنوبی افریقا کو پُر امن آزادی ملے۔
۲۔ نیلسن منڈیلا جنوبی افریقا کے مشرقی ساحل کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ایک بڑے قبیلے کے سردار تھے۔

۳۔ منڈیلا اپنے بچپن کو اپنی زندگی کا بہترین دور کہتے تھے۔

۴۔ منڈیلا کی ابتدائی تعلیم ایک مسیحی اسکول میں ہوئی جہاں تدریس انگریزی زبان میں ہوتی تھی۔ وہاں طلبا کے قبائلی ناموں کی بجائے انھیں نئے انگریزی نام دیے گئے اور انگریزی تہذیب سکھائی گئی، لیکن ساتھ ہی اپنی تہذیب سے دور کر دیا گیا۔

۵۔ افریقا کے بیشتر نوجوان زراعت یا کان کنی کی طرف مائل تھے، مگر نیلسن منڈیلا نے مزید اعلیٰ تعلیم کا ارادہ کیا کیونکہ وہ قانون کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔

۶۔ منڈیلا نے کلارک بری کالج میں قانون اور دیگر انتظامی امور اور سیاست کی تعلیم حاصل کی کیونکہ وہ انھیں شعبوں میں آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ ان شعبوں کو منتخب کرنے کی وجہ ان کا سیاسی شعور اور اپنے حقوق کے لیے لڑنے کی خواہش تھی۔

اقتباس نمبر ۵۴ : نیلسن منڈیلا۔ ایک عالمی شخصیت (حصّہ دوم)

۱۔ جنوبی افریقا سفید فام قوموں کے زیرِ حکومت تھا جو وہاں کے وسائل پر مکمل قابو رکھتے تھے۔ جنوبی افریقا کے اپنے سیاہ فام لوگوں کو کوئی حقوق نہیں دیے گئے تھے بلکہ انھیں حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ منڈیلا نے عزم کیا کہ اپنے ملک کو اس ناانصافی اور اذیت سے نجات دلوائیں۔

۲۔ منڈیلا کو اکتوبر ۱۹۶۲ء میں پانچ سال قید کی سزا دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ منڈیلا نے افریقی قومی کانگریس کا رکن بننے کے بعد ہم خیال ساتھیوں کو جمع کر کے مہم شروع کی کہ اس ملک کو سفید فام حکومت سے آزادی ملے۔

۳۔ روبن آئی لینڈ کی قید کے دوران منڈیلا کا ۲۵ سالہ بیٹا گاڑی کے حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا لیکن انھیں اس کی تدفین میں شرکت کے لیے رہائی نہ ملی۔ تنہا قید میں انھوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ گزارے ہوئے ہر لمحے کو یاد کیا۔

۴۔ اس مشکل وقت میں ایمان اور اعتقاد کی پختگی نے منڈیلا کو ہمت دی کہ وہ یہ غم برداشت کر سکیں۔

۵۔ ۱۱ فروری ۱۹۹۰ء ایک یادگار دن اس لیے ہے کہ ۲۷ سال کی سخت قید کے بعد نیلسن منڈیلا کو رہا کر دیا گیا۔

۶۔ اپریل ۱۹۹۴ء میں افریقی قومی کانگریس اور اس کے اراکین کی جدوجہد کامیاب ہوئی اور جنوبی افریقا میں آزادانہ انتخابات ہوئے۔ انتخابات میں افریقی قومی کانگریس کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔

۷۔ منڈیلا کو عالمی شہرت اور بیسویں صدی کی ایک نمایاں اور عظیم شخصیت کہنے کی بہت سے وجوہات ہیں۔ ایک طرف ان کا بااصول کردار، اپنی قوم کے لیے انتھک محنت اور پھر اپنی قوم کو آزادی دلانا ہے اور دوسری طرف منڈیلا کا وہ قابلِ تعظیم عمل ہے کہ اپنے حریفوں کے ظلم وستم اور ناانصافی سہنے کے باوجود انھوں نے جنوبی افریقا کے صدر کا حلف اُٹھاتے ہوئے عام معافی کا اعلان کر دیا کیونکہ وہ بدلہ لینے کی سیاست کے مخالف تھے۔

اقتباس نمبر ۵۵ : فیراری

فیراری کا شمار مہنگی اور شاندار اسپورٹس کاروں میں ہوتا ہے۔ گاڑیوں کا شوقین ہر شخص اس نام سے واقف ہے اور اس گاڑی کو چلانے کے خواب دیکھتا ہے۔

۱۔ اس گاڑی کی ایک وجہِ شہرت اس کی مقبولیت ہے کیونکہ یہ ذوق اور دولت کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ کئی مشہور و معروف افراد نہ صرف اس گاڑی کے ساتھ تصویر بنوا کر خوش ہوتے ہیں بلکہ اس نام کی گاڑیوں کے مالک بھی ہیں۔

۲۔ (i) نام : اینزو فیراری ، اطالوی نژاد تھے۔

(ii) لوہار کے بیٹے تھے۔

(iii) فرانسیسی جانبازوں کی گاڑیوں کی دوڑ دیکھا کرتے تھے۔ اس سے شوق کا آغاز ہوا۔

(iv) فوج میں ڈیوٹی دینے کے بعد اینزو نے ''فیاٹ'' کمپنی میں ملازمت تلاش کی مگر ناکام رہے۔ پھر انھوں نے تیز رفتار گاڑیوں کی مرمت کرنے والے ایک ادارے میں ملازمت شروع کی اور ایک گاڑیوں کی دوڑ میں شرکت بھی کی۔

(v) فیاٹ کمپنی کے ایک ملازم کے ساتھ مل کر اینزو نے ایک تیز رفتار گاڑی بنائی اور اس کا نام ''فیراری'' رکھا۔

(vi) اینزو نے اپنی گاڑی کا نشان ایک اُڑتا ہوا گھوڑا بنایا۔ اس نشان کی وجہ یہ تھی کہ ایک دوڑ جیتنے کے بعد، اینزو کو ایک کامیاب ہوا باز نے مبارکباد دی تھی جس کا نشان اُڑتا ہوا گھوڑا تھا۔ یہ نشان رفتار اور کامیابی کی علامت ہے۔

۳۔ جب دوسری جنگِ عظیم میں بمباری کے دوران فیراری کا کارخانہ تباہ ہو گیا تو اینزو نے جنگ کے اختتام کے بعد ۱۹۴۶ء میں فیاٹ کی شراکت سے نیا کارخانہ قائم کیا۔ اس کے علاوہ اینزو فیراری خود بھی گاڑیوں کی دوڑ میں حصّہ لیتے تھے اور شوقین ڈرائیوروں کی تربیت بھی کرتے تھے۔ انھوں نے اگرچہ تکنیکی تعلیم حاصل نہیں کی لیکن وہ اپنے کام میں ماہر تھے۔ اینزو کو ایک اطالوی جامعہ نے اعزازی ڈگری عطا کی۔

۴۔ اینزو فیراری کی زندگی اس بات کی واضح مثال ہے کہ جہاں شوق اور ہنر مل جاتے ہیں تو انسان کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ وہ اپنے پسندیدہ شغل میں مہارت حاصل کرتا ہے اور آخر محنت اور صبر سے اپنی منزل حاصل کر لیتا ہے۔

اقتباس نمبر ۵۶ : چڑیا گھر

مختلف انواع و اقسام کے جانوروں کے متعلق تجسّس اور ان کو دیکھنے اور پالنے کا شوق کسی حد تک فطری ہے۔ چڑیا گھر کی بنیاد بھی شاید اسی تجسّس کے ذریعے عمل میں آئی۔ اب یہ روایت بن گئی ہے کہ دنیا کے بڑے شہروں میں چڑیا گھر بنائے جاتے ہیں جہاں اس ملک میں پائے جانے والے جنگلی جانوروں کو رکھا جاتا ہے۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ جس قدر ممکن ہو انھیں وہ قدرتی ماحول فراہم کیا جائے جس کے وہ عادی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک محدود ماحول اور حالات میں ان جانوروں میں کیا تبدیلی آتی ہے، اس کا مشاہدہ بھی کیا جاتا ہے۔

طلبا سے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہو سکتی ہے کہ چڑیا گھر ہونا چاہیے یا نہیں؟ اس کے مقابلے میں ''نیشنل پارک'' کا ادارہ

ہے جہاں جانوروں کے لیے ایک احاطہ مخصوص کر دیا جاتا ہے جیسا کہ افریقا کے کچھ ممالک میں کیا گیا ہے۔ اس عبارت کی تلخیص بھی کروائی جائے۔

۱۔ سب سے پہلا چڑیا گھر ۱۱۰۰ قبل مسیح میں چین میں بنایا گیا تھا۔ برطانوی بادشاہ ہنری اوّل نے لندن میں ایک چڑیا گھر کی بنیاد رکھی جو بعد میں ٹاور آف لندن میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۲۸ء میں ریجنٹس پارک میں مستقل چڑیا گھر قائم کیا گیا۔ دیگر ممالک میں بھی چڑیا گھر قائم کیے گئے مثلاً سنگاپور، امریکا وغیرہ۔

۲۔ ارسطو نے ۴۰۰ قبل مسیح میں حیوانوں پر تحقیق کر کے ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کیا جو لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث بنا۔

۳۔ جنگلی اور پالتو جانوروں کی حرکات وسکنات کا موازنہ کرنا، جنگلی جانوروں کو بطور معلومات اور تفریح دیکھنا، جنگلی جانوروں کو سدھا کر انھیں قابو کرنا، اور جانوروں پر تحقیق کرنا ایسی چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر چڑیا گھر قائم کیے جاتے ہیں۔

۴۔ پاکستان میں چڑیا گھروں کی صورتحال غیر تسلی بخش ہے۔ جانوروں کو صحیح طرح رکھنے کے لیے معقول جگہ اور مناسب خوراک کا انتظام ہونا چاہیے۔ ہمارے بیشتر چڑیا گھر عدم توجہی اور بے پروائی کا شکار ہیں۔

۵۔ یہ سوال کلاس میں دلچسپ بحث کا موضوع بن سکتا ہے۔ اساتذہ اس موضوع پر مباحثہ منعقد کروا سکتے ہیں۔

اقتباس نمبر ۵۷ : خون کی اہمیت

یہ عبارت بطور رپورٹ لکھی گئی ہے اور اعداد وشمار پر مبنی ہے۔ ایسی عبارتوں کو پڑھاتے وقت اساتذہ اس بات کی نشاندہی کریں کہ ایک اچھی رپورٹ لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ:

☆ حقائق اور اعداد وشمار کی تصدیق کی جائے۔

☆ غیر ضروری مواد کو رپورٹ سے الگ کیا جائے۔

☆ عام فہم اور درست زبان ولہجہ استعمال کیا جائے۔

☆ نکات بالترتیب ہوں تاکہ تحریر کے متن میں ربط اور سلسلہ قائم رہے۔

۱۔ پلازما، خلیات اور جسیمیات، بنیادی اجزا ہیں جن سے خون بنتا ہے۔

۲۔ کسی کو ناموافق خون دے دیا جائے تو خون میں جو انجماد پیدا ہوتا ہے وہ جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ ’’انتقالِ خون‘‘ سے قبل مریض اور ڈونر (عطیہ کنندہ)، دونوں کے خون کی قسم کا جاننا ناگزیر ہوتا ہے۔

۳۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران یہ عمل پہلی بار آزمایا گیا۔ یہ ایک امریکی ڈاکٹر آسوالڈ رابرٹسن کی دریافت ہے۔ اس طرح لوگوں کی جان بچائی جاسکتی ہے۔

۴۔ موجودہ دور میں خون محفوظ رکھنے کے لیے ’’بلڈ بینک‘‘ قائم کیے گئے ہیں۔ لوگ رضا کارانہ طور پر اپنے خون کا عطیہ کرتے ہیں۔ اقسام کے اعتبار سے خون کو جمع کیا جاتا ہے اور پھر اسے سوڈیم سائٹریٹ کی مدد سے محفوظ کر کے تین ہفتے تک ریفریجریٹر میں رکھا جاسکتا ہے۔

۶۔ انسانی خون کی اقسام مختلف ہوتی ہیں ، یعنی بلڈ گروپ ، لیکن سب کی بنیادی ساخت ایک ہوتی ہے۔ جبکہ جانوروں میں ہر نسل کا خون دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً شیر اور بکری کا خون ایک سا نہیں ہوتا۔
۷۔ اس سوال کا جواب لکھنے میں طلبا کی راہنمائی اور مدد کیجیے۔

اقتباس نمبر ۵۸ : تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

مشتاق احمد یوسفی کے اس مضمون سے یہ ایک مختصر اور دلچسپ اقتباس ہے۔ اس عبارت کو پڑھ کر طلبا ضرور محظوظ ہوں گے۔

۱۔ مصنف کے مطابق کراچی میں سردی نہ ہونے کے برابر ہے۔ مصنف نے کراچی والوں کی نازک مزاجی پر بھی طنز کیا ہے۔
۲۔ کراچی کا موسم اس تیزی سے بدلتا ہے کہ موسم کے لحاظ سے پہنا ہوا لباس بھی کچھ دیر بعد ناموزوں معلوم ہوتا ہے۔
۳۔ مصنف کے خیال میں کراچی میں گرمی اور سردی میں سوائے مہینے بدلنے کے کوئی اور فرق نہیں۔ دونوں موسموں میں درجۂ حرارت تقریباً برابر ہی رہتا ہے۔
۴۔ کراچی کے مقابلے میں شمالی علاقوں میں باقاعدہ سردی یا جاڑے کا موسم ہوتا ہے ، سرد ہوائیں چلتی ہیں ، بارش بھی ہوتی ہے اور برف بھی پڑتی ہے۔
۵۔ ''مفلر کے انبار میں صرف چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آئیں۔'' ''لوگ لحاف اوڑھ کر ایئر کنڈیشنر تیز کر دیتے ہیں۔''
''گرج چمک کے ساتھ بیوی برس پڑے تو 'برسات کا موسم' کہلاتا ہے۔''

اقتباس نمبر ۵۹ : بیگم رعنا لیاقت علی خان

اس مضمون میں ایک باہمت اور قابلِ تعریف خاتون شخصیت کے کام اور زندگی کا ذکر ہے۔ بیگم رعنا لیاقت اور ان جیسی دیگر خواتین کے بارے میں جاننے سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریکِ پاکستان میں خواتین کا کیا کردار رہا ہے۔ ہمیں ان کی محنت اور قربانیوں کو پہچاننا چاہیے۔

۱۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان کی ابتدائی زندگی میں ان کی تعلیم اور اس کے نتیجے میں ان کی پیشہ ورانہ زندگی کی اہمیت واضح ہے۔ انھوں نے مشن اسکول سے تعلیم مکمل کر کے لکھنو کے مشہور ازابیلا تھوبرن کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور جامعہ لکھنؤ سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی ، جس کے بعد وہ اقتصادیات کی پروفیسر بن گئیں۔ ۱۹۳۲ء میں ان کی ملاقات لیاقت علی خان سے ہوئی اور پھر شادی ہوگئی۔
۲۔ بیگم رعنا لیاقت کی کامیابی کے پیچھے ان کی تعلیم ، محنت اور عزم تھا۔ وہ ایک اچھی منتظم بھی تھیں۔ اس کا ثبوت ان کی سماجی کارکردگی سے ملتا ہے۔
۳۔ اس جواب کے لیے عبارت کے دوسرے اور تیسرے پیراگراف سے نکات جمع کر کے مختصر مضمون لکھا جائے۔ ان کی اہم خدمات میں بعد از تقسیم لٹے ہوئے گھر ، افراد اور خاندانوں کو نئے ملک میں بسانا ، خواتین کے لیے تعلیم اور

معاشی بہتری کے لیے تنظیم (اپوا) قائم کرنا اور خواتین کے تحفظ کے لیے خاندانی قوانین کی منظوری کروانا شامل ہیں۔

۴۔ بیگم رعنا لیاقت کی زندگی خواتین کے لیے ایک واضح مثال ہے۔ انھوں نے بحیثیت سماجی کارکن، وزیراعظم کی اہلیہ، سفیر، صوبائی گورنر، جامعہ کراچی کی نائب چانسلر اور سرفہرست ایک نیک انسان کی حیثیت سے اپنی سماجی ذمّہ داریاں ادا کی ہیں جو ہمارے لیے ایک مثال ہیں۔

نوٹ برائے اساتذہ: بیگم رعنا لیاقت علی خان اور ان کی ہم عصر خواتین نے تحریکِ پاکستان اور بعد از قیامِ پاکستان، متاثرین کے لیے اور انھیں نئے ملک میں آباد کرنے کے لیے بہت جدوجہد کی۔ ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور طلبا میں بھی اس حوالے سے دلچسپی پیدا کریں۔

اقتباس نمبر ۶۰ : دیوارِ چین

یہ غیر معمولی تعمیر یقیناً انسانی تاریخ کا ایک کارنامہ ہے، لیکن ایسی ہر تعمیر میں ہزاروں جفاکش انسانوں کی آہیں، ان کا خون پسینہ اور ان کے اجسام بھی دفن ہیں۔ دورِ حاضر کی تعمیر شدہ فلک بوس عمارتیں مشینوں کے ذریعے بنائی گئی ہیں اور ان پر کام کرنے والے مزدوروں کو اس کا معاوضہ ملا ہے۔ ماضی کی ایسی یادگار عمارتیں مثلاً اہرامِ مصر، جنوبی اور وسطی امریکا کے اہرام نما مندر اور دیوارِ چین، یہ سب غریب اور غلام بنائے گئے انسانوں کی انتھک محنت کا نتیجہ ہیں۔ یہ عبارت اس دیوار کے متعلق اعداد و شمار اور دیگر حقائق فراہم کرتی ہے۔ اس عبارت کو بطورِ نمونہ پیشِ نظر رکھتے ہوئے کسی دوسری تاریخی عمارت کے متعلق مضمون کی تیاری کروائی جاسکتی ہے۔

۱۔ ساتویں صدی قبل مسیح سے اس دیوار کی تعمیر شروع ہوئی۔ چین کے بادشاہوں نے اپنی ریاستوں کو حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ دیوار تعمیر کروائی۔

۲۔ دیوار پر آخری تعمیر سولھویں صدی میں منگ خاندان کے بادشاہوں نے کروائی۔

۳۔ چونکہ یہ دیوار ایک پہاڑی سلسلے پر ہے تو پہاڑوں کی اونچائی اور ان کے خد و خال کی مناسبت سے اسے بنایا گیا ہے۔ اس میں دیوار کی یکسانیت کو برقرار رکھنا مشکل تھا۔ طویل فاصلوں اور بلندیوں تک سامان پہنچانا اور اسے نصب کرنا بھی مشکل عمل تھا۔

۴۔ دیوار کے بیرونی حصے کی اونچائی اندرونی حصے سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ باہر سے حملہ کرنے والی افواج سے دفاع کے لیے اس دیوار کے بیرونی حصے میں تیر اندازوں کے لیے کھڑکیاں بنائی گئی ہیں۔ مقررہ فاصلے پر چوکیاں بنائی گئی ہیں جہاں سے علاقے پر نظر رکھی جاتی تھی۔

۵۔ دیوارِ چین تاریخی تعمیر کا ایک غیر معمولی نمونہ ہے۔ یہ ساتویں صدی قبل مسیح سے بننا شروع ہوئی اور سولھویں، سترھویں صدی تک بنتی اور مستحکم ہوتی رہی۔ صدیوں کی تاریخ اس تعمیر سے وابستہ ہے۔ لہٰذا یہاں آنے والے ہر شخص کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک طویل تاریخ کا حصّہ ہے۔

اقتباس نمبر ۶۱ : دھند

اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی پر موسم کے اثرات کس قدر سنگین ہوسکتے ہیں۔ دُھند ایک قدرتی یا موسمی کیفیت ہے لیکن موجودہ دور میں صنعتی کثافت کی وجہ سے بھی اس میں اضافہ ہوا ہے۔ دُھند کی وجہ سے کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ مثالیں اس عبارت میں دی گئی ہیں۔ اس سوال پر طلبا سے گفتگو کریں، معلوم کریں کہ کیا انھیں کبھی ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا؟ کیا نتیجہ تھا وغیرہ۔ یہ عبارت ایک رپورٹ کی صورت میں ہے۔ طلبا اس کے طرزِ تحریر پر توجہ دیں۔ اس کی تلخیص بھی کی جاسکتی ہے۔

۱۔ دُھند قدرتی موسمی عمل ہے۔ موسموں اور درجہ حرارت کے فرق سے دنیا کے کچھ حصوں میں سال کے کچھ دن دُھند کا پیدا ہونا معمول ہے۔ دوسری وجہ انسانی سرگرمیوں سے پیدا ہونے والی کیفیات ہیں۔

۲۔ دُھند کی وجہ سے آمد و رفت پر سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے اور نہ صرف گاڑیاں بلکہ ریل اور ہوائی جہاز بھی متاثر ہوتے ہیں۔ دوسرا اہم اثر انسانی صحت پر ہوتا ہے ۔ لوگوں کو سانس کی تکلیف اور تیزابی بارش کی وجہ سے جلدی امراض کا سامنا ہوتا ہے۔

۳۔ صنعتی آلودگی کی وجہ سے ہوا میں گندھک کی گیس (سلفر ڈائی آکسائیڈ) پھیل جاتی ہے اور ہوا کے ساتھ دوسرے علاقوں تک چلی جاتی ہے۔ ایسی انسانی کارروائیوں اور کثافتوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دھند ان مقامات پر ایک مستقل کیفیت بن جاتی ہے۔

۴۔ صنعتوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ ماحول کی آلودگی دور کرنے کے لیے انھیں آمادہ کیا جائے کہ وہ صحت مند اور صاف ستھرے ماحول کے لیے عائدہ کردہ پابندیوں پر عمل کریں۔ تمام ممالک کو ان پر عمل درآمد کروانا یقینی بنانا چاہیے۔

۵۔ ایسے مسائل جو کسی ایک ملک کی سرحدوں تک محدود نہ ہوں بلکہ دنیا بھر کا مسئلہ بن چکے ہوں ''ٹرانس باؤنڈری مسائل'' کہلاتے ہیں۔

اقتباس نمبر ۶۲ : سونا

اس عبارت میں قیمتی دھات، سونے پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ حقائق اور اعداد و شمار پر مبنی یہ عبارت ایک رپورٹ کی شکل میں ہے۔ دولت اور زیور کے علاوہ سونے کے دیگر مصارف بھی ہیں۔ یہ ایک مختصر لیکن دلچسپ عبارت ہے جس کی بنیاد پر طلبا کسی اور موضوع پر بھی اسی طرح لکھ سکتے ہیں۔

۱۔ سونے کے خالص ہونے کا معیار ''قیراط'' کہلاتا ہے۔ خالص سونا چوبیس قیراط کا ہوتا ہے جو بہت نرم ہوتا ہے اور بآسانی ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے زیورات کے لیے اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

۲۔ چونکہ سونا کبھی خراب نہیں ہوتا، زنگ نہیں لگتا اور اس کی کیمیائی حیثیت میں کمی یا خرابی پیدا نہیں ہوتی، اس لیے یہ بہت ہی کارآمد اور مفید دھات ہے۔ قدرت نے اسے بہت محدود مقدار میں پیدا کیا ہے، لہٰذا اس کی مانگ اور قیمت

بہت زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ صنعت اور ادویات میں بھی اس کا منفرد اور مفید استعمال ہوتا ہے۔ ممالک اپنی مالی اور معاشی طاقت کا اندازہ اپنے سونے کے ذخائر سے کرتے ہیں۔

۳۔ چمک دمک ، نایابی ، قدر و قیمت اور خاص مقاصد کے لیے استعمال کی بنا پر سونا تاریخی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ بادشاہوں نے اپنی دولت کا معیار سونے ہی کو بنایا۔

۴۔ اس سوال کا جواب طلبا بطور پراجیکٹ مکمل کر سکتے ہیں۔

۵۔ اس سوال کا جواب دوسرے پیراگراف کی ابتدا میں دیا گیا ہے کہ کس طرح سونے کو کانوں سے نکالا جاتا ہے اور تیز درجۂ حرارت پر اسے پگھلا کر کثافتیں دور کی جاتی ہیں ، پھر اینٹوں کی شکل میں اسے ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ زیور اور سکّے بنانے کے لیے اس میں ٹھوس دھاتوں کی ملاوٹ کی جاتی ہے۔

اقتباس نمبر ۶۳ : بحری سفر

اس مضمون میں مصنفہ نے بحری سفر کی دلچسپ تصویر کشی کی ہے۔ یہ واقعی ایک عہدِ رفتہ کی یاد ہے کیونکہ آج کل کی تیز رو زندگی میں کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ چند گھنٹوں میں جو فاصلہ طے ہوسکے اسے دنوں یا ہفتوں کے سفر میں تبدیل کردے۔ بہرحال اس زمانے میں ٹرین یا بحری جہاز سے سفر کرنے والوں کی مجبوریاں بھی تھیں...... یعنی ہوائی سفر مہنگا بھی تھا اور ہوائی جہاز ہر منزل تک نہیں پہنچاتے تھے۔ صرف نامی گرامی لوگ ہوائی جہاز پر سفر کیا کرتے تھے۔ آج کل حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ طلبا سے اس سلسلے میں بات کریں۔ تبدیلیاں کیوں اور کیسے آئیں؟ اس کا اثر موجودہ دور کے مسافروں پر کیا ہوا ہے؟ وغیرہ۔

۱۔ ریل اور بحری جہاز کے سفر کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ بحری سفر کو ترجیح دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں نہ جگہ اور سامان کی قید تھی اور نہ وقت کی۔ اگر مسافر سمندری سفر سے بیمار نہ ہو (بعض لوگوں کو جہاز کی حرکت اور چال سے تکلیف ہوتی ہے) اور وقت اجازت دے تو یہ طریقۂ سفر بہت آرام دہ ہوتا تھا۔ سامان کے وزن پر بھی پابندی نہیں تھی۔

۳۔ دوسرے اور تیسرے پیراگراف سے اس جواب کے لیے ضروری نکات اخذ کر کے مختصر مضمون لکھوایا جائے۔

۴۔ اس سوال پر اساتذہ طلبا سے ان کی رائے لے کر تختۂ سیاہ پر نکات درج کریں اور پھر جامع جواب لکھوائیں۔ ہوائی سفر بلاشبہ وقت کے لحاظ سے بہت پسند کیا جاتا ہے لیکن طویل سفر کے دوران جگہ کی تنگی ، سامان کی پابندی وغیرہ کا مسئلہ ہوتا ہے۔ بحری سفر آرام دہ لیکن طویل ہوتا ہے۔ بحری سفر صرف بندرگاہوں تک محدود ہے۔ ہوائی سفر بھی انھی مقامات تک براہِ راست کیا جاسکتا ہے جہاں ہوائی جہاز کی آمدورفت کا بندوبست ہو۔ ریل کا سفر تب ہی آرام دہ ہوتا ہے جب ریل کو صفائی اور سہولت سے مزین رکھا جائے۔

۵۔ انفرادی جواب۔

اقتباس نمبر ۶۴ : حسین شہید سہروردی

پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے والوں میں حسین شہید سہروردی بھی ایک نمایاں کردار تھے۔ وہ مشرقی صوبوں کے مسلمانوں کے حقوق کے لیے کوشاں رہے۔ ایک نامور سیاسی خاندان سے تعلق رکھنے کے باعث ان میں سیاسی شعور بھی تھا اور اس شعبے میں دلچسپی بھی۔ بعد از قیامِ پاکستان سہروردی صاحب نے سرکاری اور سیاسی میدان میں خدمات انجام دیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی تاریخ کی ان تمام ہستیوں کو یاد رکھیں اور ان کی خدمات کو نظرانداز نہ کریں۔

۱۔ سہروردی صاحب نے کولکتہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر قانون میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں نہ صرف اپنے منتخب مضمون میں تعلیم حاصل کی بلکہ مختلف مضامین اور زبانوں پر بھی عبور حاصل کیا۔
۲۔ تحریکِ خلافت میں حصّہ لیا اور طلبا کی سیاسی تحریکوں میں بھی شامل ہوئے۔ مسلم لیگ کی انتخابی کامیابی کے لیے کوشش کی۔ بنگال میں وزیر کا عہدہ بھی سنبھالا۔
۳۔ قیامِ پاکستان کے بعد مشرقی خطے میں اُنھوں نے مولانا بھاشانی کے ساتھ مل کر سیاسی جماعت قائم کی۔
۴۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں سہروردی صاحب پاکستان کے وزیراعظم بنے۔
۵۔ ۱۹۵۸ء میں حکومت کی تبدیلی کے بعد سہروردی صاحب علاج کی خاطر لندن گئے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں وطن واپسی کے دوران وہ بیروت میں ٹھہر گئے۔ وہیں حرکتِ قلب بند ہونے سے ۵ دسمبر ۱۹۶۳ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

اقتباس نمبر ۶۵: مٹی کی خوشبو

یہ مختصر عبارت ان لوگوں کے نام ہے جو تسنیم باجی کی طرح اپنا وطن چھوڑ کر مغرب و مشرق میں آباد ہونے پر مجبور ہوتے ہیں، یا پھر وہ لوگ جو خود فیصلہ کر کے بیرونِ ملک رہتے ہیں۔ زندگی کے اواخر میں خصوصاً ان کے کیا جذبات اور تاثرات ہوتے ہیں اور اپنے ملک کے مقابلے میں غیر ملک میں زندگی کیسی ہوتی ہے، اس عبارت میں اس کا موازنہ کیا گیا ہے۔

۱۔ ’’روایتی مشرقی ماحول‘‘ وہ ہے جو پاکستان کے متوسط طبقے کے گھرانوں میں پایا جاتا تھا (اور شاید اب بھی کچھ حد تک پایا جاتا ہے) یعنی مذہب اور اقدار کی پاسداری۔
۲۔ وہ زمانہ یعنی ۱۹۵۰ء کی دہائی، جب تسنیم باجی کی شادی ہوئی۔
۳۔ ان کے بیٹے تعلیم کی خاطر ملک سے باہر گئے تھے اور وہیں بس گئے۔ جب تسنیم باجی کے شوہر انتقال کر گئے تو بیٹے ماں کو اپنے ہمراہ کینیڈا لے گئے۔
۴۔ پاکستان کے مقابلے میں کینیڈا کی زندگی مختلف تھی۔ منظم، بااصول اور اوقات و موسم کی پابند۔ مگر تنہا تسنیم باجی کہیں بھی آنے جانے کے لیے اپنے بیٹوں پر تکیہ کیے ہوئے تھیں۔ وہ خود اکیلی کہیں نہیں جاسکتی تھیں۔
۵۔ تسنیم باجی اپنے ملک اور غیر ملک میں رہنے کے فرق کو محسوس کیا کرتی تھیں اور اپنے ملک کی کھلی فضا، موسم، مٹی کی خوشبو اور آزادی کو یاد کرتی تھیں۔

اقتباس نمبر ٦٦: سائنس فکشن

سائنسی ادب یا افسانے مغربی ادب کی ایک منفرد اور مقبول صنف ہیں۔ اس کے پیچھے انسان کا تخیل اور اس کی تخلیقی قابلیت ہے۔ اس کے علاوہ جو باتیں افسانوں یا تخیل کا حصّہ تھیں وہ آج حقیقت بن کر سامنے آ رہی ہیں، گویا اس تخیل اور تصوّر نے سائنس دانوں اور مفکروں کو سوچنے اور اپنے خیالات کو ایک واضح شکل دینے پر مجبور کیا ہے۔ سائنس فکشن نے ٹیلی وژن اور فلموں پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔

١۔ سائنسی افسانے اور ادب جو تخیل وتصوّر پر مبنی ہوں۔

٢۔ تخلیقی صلاحیت ، مشاہدہ، تخیل وتصوّر۔

٣۔ عبارت کے پہلے پیرا گراف میں دیے گئے ناموں کے علاوہ اساتذہ طلبا کی مدد کریں کہ وہ مزید نام دریافت کریں اور ان کی تصانیف کے نام بھی معلوم کریں۔

٤۔ اس صنفِ تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ آخر کار یہ حقیقت کو راہ دکھاتی ہے اور ناممکن کو ممکن بناتی ہے۔ مثلاً ایک ناول ''دی بوائز فرام برازیل'' ایک ایسے تجربے کے متعلق تھا جسے آج کلوننگ (cloning) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسی طرح خلا کا تصوّر کرتے ہوئے انسان آج خلاؤں میں نہ صرف سفر کر رہا ہے بلکہ خلا میں اپنے لیے رہنے کے مقامات بھی تلاش کر رہا ہے۔

۵۔ جولز ورن کی خیالی خلائی مہمّات کا مرکز موجودہ کیپ کینیورال سے بہت ملتا جلتا ہے۔

٦۔ اس کا جواب طلبا ہی سے لکھوایئے۔ اساتذہ اس موضوع پر کلاس میں گفتگو کر کے تختۂ سیاہ پر چند نام لکھیں اور اس سوال پر کام کروائیں۔

اقتباس نمبر ٦٧: وادیِ کاغان میں

یہ اقتباس ادا جعفری کی کتاب ''جو رہی سو بے خبری رہی'' سے لیا گیا ہے۔ اساتذہ اس اقتباس کو پڑھاتے وقت طلبا کے ساتھ وادیِ کاغان کے بارے میں باتیں کر سکتے ہیں۔ بہت سے طلبا نے یہ خوبصورت وادی دیکھ رکھی ہو گی ، ان سے اس پُر فضا مقام کے بارے میں پوچھیے۔ اُنھیں بتایئے کہ وادیِ کاغان میں کئی خوبصورت جھیلیں ہیں۔ ان میں سب سے مشہور جھیل ''سیف الملوک'' ہے۔

١۔ ہمارے شمالی علاقوں میں پچھلے تیس سالوں میں آمدورفت کی دشواریاں کافی حد تک دور ہو چکی ہیں۔ سڑکیں پختہ ہو چکی ہیں اور سیاحوں کے لیے کافی سہولتیں بھی دستیاب ہیں۔

٢۔ پہاڑی راستے کے ساتھ ہی گہرے کھڈ اور گھاٹیاں تھیں۔

٣۔ عظیم الجثّہ پہاڑوں کے سامنے سڑک کی حیثیت بہت حقیر معلوم ہوتی ہے اور وہ ''بل کھاتے ہوئے سانپ'' یا ''پتلی سی لکیر'' کی مانند نظر آتی ہے۔

۴۔ اس جملے سے مراد یہ ہے کہ یہ علاقہ اپنی قدرتی خوبصورتی میں مکمل ہے۔ اللہ کی کاریگری کے آگے کوئی بھی اتنی خوبصورت تصویر نہیں بنا سکتا۔

۵۔ اس علاقے کے جفاکش لوگوں کی حالت نے مصنفہ ادا جعفری کو متاثر کیا۔ قدرت کی اس بیش بہا خوبصورتی کے درمیان انسانوں کی غربت افسوسناک تھی۔

۶۔ آنا جانا، کٹھن یا مشکل، گھیرا، زیادتی یا کثرت، سختی، غربت، عارضی ٹھکانہ۔

۷۔ طلبا اس سوال کا جواب اساتذہ کی نگرانی میں لکھیں۔

اقتباس نمبر ۶۸: بیجنگ

بیسویں صدی کے بیشتر حصے میں چین کے متعلق ایک تجسّس تھا کیونکہ وہاں کے سیاسی نظام کی وجہ سے اس زمانے میں چین میں غیر ملکیوں کی آمدورفت کا خیرمقدم نہیں کیا جاتا تھا۔ تاریخی پس منظر اور نقطۂ نظر سے چین تجسّس اور دلچسپی کا مرکز تھا، لہٰذا جب نئے سیاسی حالات میں چین نے دنیا کے لیے اپنے دروازے کھولے تو لوگوں کو موقع ملا کہ انسانوں کے اس جمِ غفیر کا مشاہدہ کریں، ان کی ترقی کو دیکھیں اور سمجھیں۔

۱۔ منفرد ثقافت، تاریخی ماضی اور یادگاروں کے باعث مصنفہ کو چین کی سرزمین میں دلچسپی تھی۔

۲۔ اس بات سے کہ موسم کا لحاظ رکھتے ہوئے کمپنی کے ان سب لوگوں کے لیے جو اس سفر میں شریک تھے، موزوں لباس کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

۳۔ مصنفہ کو دیوارِ چین نے بہت متاثر کیا، کیونکہ نہ صرف یہ ایک تاریخی عمارت ہے بلکہ دنیا کے عجائبات میں شامل ہے۔

۴۔
- چین ایک قدیم تہذیب اور تاریخ سے وابستہ ہے اور یہاں کے لوگ مختلف ادوار سے گزر کر آج کامیابی کے در پر کھڑے ہیں۔
- دیوارِ چین کو اگر اُونچائی سے دیکھا جائے یا زمین کی سطح سے بھی، تو چین کے روایتی اژدھوں کی طرح یہ اس ملک کی حفاظت کرتی نظر آتی ہے۔
- یہ دیوار، چین کے مختلف بادشاہوں نے تعمیر کروائی ہے اور اس تعمیر کی تاریخ طویل اور منفرد ہے، لہٰذا یہ ایک علیحدہ مضمون کی مستحق ہے۔

۵۔ اساتذہ اپنی نگرانی اور رہنمائی میں خلاصہ لکھوائیں۔

اقتباس نمبر ۶۹: میرا ایک خواب

یہ مضمون امریکا کی ایک مشہور شخصیت مارٹن لوتھر کنگ کے متعلق ہے۔ کنگ نے سیاہ فام امریکیوں کے حقوق کے لیے انتھک محنت کی اور آخر کار ان کا خواب حقیقت بن سکا۔ اساتذہ سے گزارش ہے کہ ایسی شخصیات کے بارے میں مزید تفصیل خود

بھی تلاش کریں اور طلبا کی بھی اس حوالے سے رہنمائی کریں کیونکہ ان لوگوں کے کارنامے صرف کتابوں کے لیے نہیں بلکہ ملک و معاشرے میں مثبت تبدیلی کے حامل ہیں۔

۱۔ مارٹن لوتھر کنگ جنوبی امریکی ریاست جورجیا کے شہر اٹلانٹا کے رہنے والے تھے۔ وہ امریکی بپٹیسٹ مسلک کے رہنما تھے، یعنی انھوں نے مذہبی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ وہ ایک سماجی کارکن بھی تھے جو اپنی قوم یعنی افریقی نژاد امریکیوں کے حقوق اور ان کے خلاف تعصب سے نجات کے لیے لڑ رہے تھے۔

۲۔ مارٹن لوتھر کنگ کو نسلی امتیاز اور اس سے پیدا ہونے والی مشکلات، تعصب اور سفید فام نسل سے امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ جنوبی امریکا میں نسلی امتیاز نفرت اور تعصب کی شرح کچھ زیادہ تھی اور اس کے اثرات بہت واضح تھے۔ مگر کنگ خاموش اور مہذب انداز سے اپنی مہم پر ڈٹے رہے۔

۳۔ روزا بار ایک سیاہ فام خاتون تھیں۔ سیاہ فام سواریوں کے لیے مقررہ نشست خالی نہ ہونے کے باعث وہ دوسری نشست پر بیٹھ گئیں جو گورے امریکیوں کے لیے مخصوص تھی۔ اس بات پر انھیں قید کی سزا سنائی گئی جو کہ ناانصافی کی واضح مثال تھی۔

۴۔ روزا بار کے واقعہ کے بعد تمام سیاہ فام یکجا ہو کر سراپا احتجاج ہو گئے۔ کنگ اس احتجاج میں نمایاں تھے۔ سماجی حقوق اور نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی جس میں کنگ کا کردار واضح تھا۔ انھوں نے افریقی امریکیوں کے ساتھ سزائیں بھی اٹھائیں اور کئی پریشانیاں بھی۔ ۱۹۶۳ء میں وہ ایک بہت بڑے مجمع کو لے کر واشنگٹن کی طرف چل پڑے، اور ان میں افریقی امریکی اور دیگر ہم خیال لوگ شامل تھے۔

۵۔ اس پُر امن احتجاج کا آغاز کنگ نے ایک جملے سے کیا ''میرا ایک خواب ہے'' اور اس تقریر میں وہ تمام صورتحال سے سامعین کو آگاہ کیا جو کئی سالوں سے ان کی قوم سہتی چلی آ رہی تھی۔ انھوں نے ان اُمیدوں اور خواہشات کا بھی اظہار کیا جو وہ افریقی امریکیوں کے مستقبل کے لیے رکھتے تھے۔ یہ ان کا خواب تھا۔

۶۔ مارٹن لوتھر کنگ کے خواب کی تعبیر تب ہوئی جب بارک حسین اوباما ۲۰۰۸ء میں امریکا کے صدر منتخب ہوئے۔

اقتباس نمبر ۰۷ : بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

یہ مضمون آزادیِ رائے اور اس کے اظہار کے متعلق ہے۔ آزادیِ رائے اور اظہارِ رائے کو ایک بنیادی انسانی حق مانا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مضمون میں آزادیِ رائے کے معنی اور اس کے حدود کو واضح کیا گیا ہے۔

۱۔ بنیادی انسانی حقوق وہ ہیں جو ہر انسان کو ملنے چاہئیں۔ اوّلین حقوق میں غذا، گھر، حفظ و امان، روزی وغیرہ شامل ہیں۔ آزادیِ رائے اور اس کا اظہار بھی ان حقوق کا حصّہ ہیں۔

۲۔ آفاقی منشور برائے انسانی حقوق (Universal Declaration of Human Rights) وہ دستاویز ہے جسے ۱۹۴۸ء میں پیرس میں ہونے والے اقوام متحدہ کے اجلاس میں منظور کیا گیا تھا۔ اس دستاویز میں نہ صرف آزادیِ رائے

بلکہ معلومات حاصل کرنے ، لوگوں تک علم پہنچانے وغیرہ کا حق بھی دیا گیا ہے۔لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ غلط بیانی نہ ہو ، کسی پر تہمت یا الزام نہ ہو اور نہ کسی کی دل آزاری ہو۔یعنی حق کے ساتھ ساتھ فرض اور ذمّہ داری بھی ضروری ہے۔

۳۔ جیسا کہ عبارت کے تیسرے پیراگراف میں واضح کیا گیا ہے۔ اظہارِ رائے اور خیال کے لیے یہ احتیاط کرنا ضروری ہے کہ کہنے والے کی بات اخلاق اور تمیز کے دائرے میں ہو اور حقائق درست ہوں۔

۴۔ فرد کے فرائض اور ذمّہ داری کا ذکر تو کیا جا چکا ہے کہ بات میں وزن ہونا چاہیے اور حقائق درست اور قابلِ بھروسا ہوں۔ آج کل ذرائع ابلاغ یعنی میڈیا کو آزادی دی گئی ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ صرف اپنی مقبولیت اور شہرت کی خاطر ادھوری یا بہکانے والی بات نہ کریں۔ میڈیا کے لیے بھی ایک ضابطہ اخلاق ہونا چاہیے تا کہ وہ اپنی حدود میں رہتے ہوئے اپنا حق اظہار رائے استعمال کرے۔

۵۔ غیر ذمّہ دار گفتگو ، واضح یا مبہم الزام تراشی لوگوں کی شخصیت پر داغ لگاتے ہیں اور معاشرے میں انھیں بدنام کرتے ہیں۔ یہ ایک سماجی جرم ہے۔ تمام کوائف جانے بغیر کسی واقعے یا شخصیت کے متعلق نامناسب باتیں کرنا قطعی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ جن ممالک میں حکومتیں اور قوانین سخت ہوں تو اس حق کی خلاف ورزی کے لیے سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

امتحانی پرچہ نمبر ۲ کی طرز پر نمونہ

ان امتحانی پرچوں کے نمونوں کی شمولیت کا مقصد طلبا کے لیے امتحان کے لیے مشق کا موقع فراہم کرنا ہے۔ تفہیم کے لیے دی گئی عبارتوں کو امتحانی پرچے کی طرز پر تیار کیا گیا ہے اور دیے گئے سوالات کے نمبر بھی پرچے میں دیے جانے والے نمبروں کے مطابق ہیں یعنی فی عبارت ۱۵ نمبر کے سوالات ہیں۔ امتحانی پرچے میں دو عبارتیں دی جاتی ہیں۔

عبارت A

ممکنہ جوابات

(i) شمالی امریکا میں دوسرے ممالک سے آ کر بسنے والوں نے وہاں کے باشندوں کو 'ریڈ انڈین' کا نام دیا۔

(ii) نیشنل پارک میں یا سیاحوں کی آمد و رفت کے مقامات پر ریڈ انڈین قبیلوں کی دستکاری کے نمونے سجا دیے گئے ہیں۔ اب یہی ان کی نشانی ہیں۔

(iii) یلو اسٹون پارک، پانی کے اُبلتے ہوئے فواروں، گرم پانی کے چشموں اور رنگ برنگے تالابوں کی وجہ سے مشہور ہے۔

(iv) اس پارک کی زمین کے نیچے جو آتش فشاں مادّہ ''میگما'' باقی ہے اس کے باعث گرم پانی کے چشمے اور گیزر جگہ جگہ پھوٹ پڑتے ہیں۔

(v) یلو اسٹون پارک کے تالابوں کے مختلف رنگ ان کے پانی میں پائے جانے والے الجی (algae) اور بیکٹریا کی وجہ سے ہیں۔

(vi) یلو اسٹون پارک کے سب سے مشہور گیزر کا نام ''اولڈ فیتھ فل'' یعنی قدیم وفا دار ہے۔ کئی سو سال سے یہ گیزر ہر ۵۰ یا ۵۵ منٹ بعد ہوا میں ایک بلند فوارہ اُڑاتا ہے۔ یہ نظارہ دیکھنے کے لیے سیّاح آ کر انتظار کرتے ہیں۔

(vii) اس پارک کے قدیم گیزر ''اولڈ فیتھ فل'' کے اُبلنے کا وقفہ پچاس سے پچپن منٹ ہونے کے باعث سیّاحوں کی سہولت کے لیے اس کے قریب لکڑی کی بنچوں کا انتظام کر دیا گیا ہے تاکہ سیّاح اس دلکش نظارے سے بخوبی لطف اندوز ہوسکیں۔

عبارت B

ممکنہ جوابات

(i) ابنِ خلدون شمالی افریقا کے ملک تیونس میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا تعلق حضر الموت کے یمنی عربوں سے تھا۔

(ii) شہر فَیض میں درباری سازشوں کی وجہ سے بھی ابنِ خلدون گرفتار کر لیے گئے تھے۔ وہاں سے رہائی ملنے کے بعد وہ اسپین کے شہر غرناطہ چلے گئے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

(iii) ابنِ خلدون تاریخ ، معاشرے کے مختلف پہلو اور انسان کی ترقی کے مراحل جیسے علوم میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔

(iv) غرناطہ سے تیونس واپس آنے کے بعد ابنِ خلدون 'کتاب العبر' اور اپنی مشہور تصنیف ''مقدمہ'' مکمل کرنے میں مصروف رہے۔

(v) حج سے واپسی پر ابن خلدون نے مصر میں قیام کیا اور یہاں وہ مالکی فقہ کے قاضی کے طور پر فرائض انجام دیتے رہے۔

(vi) جب ابنِ خلدون سرکاری کام سے دمشق گئے تھے تو وہاں تیمور نے حملہ کیا جس میں ہزاروں لوگ ہلاک ہو گئے اور شہر برباد ہو گیا۔ لیکن تیمور نے خود ہی ابن خلدون کو شہر چھوڑنے کی اجازت دے دی تو وہ مصر لوٹ آئے۔

(vii) ابنِ خلدون کے مطالعے اور تصانیف کی مدد سے ہم ان کی سوچ، شخصیت اور علم کے متعلق اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ ایک بڑے عالم، مورخ، فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ ماہرِ فقہ بھی تھے۔ معاشرہ اور انسانی ترقی کے مراحل، ان کی دلچسپی کے خاص موضوعات تھے۔

حصّہ دوم : تلخیص نگاری

تلخیص نہ صرف امتحان کا ایک اہم حصّہ ہے بلکہ کسی بھی مضمون کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ ایک ضروری عمل ہے۔ تلخیص کے معنی ہیں کسی عبارت کو پڑھ کر اس کے اہم نکات اخذ کرنا اور پھر ان نکات کو ایک مختصر مضمون کی شکل دینا۔ یہ مضمون اصل مضمون کا ایک تہائی ہونا چاہیے۔ اس حصے کے شروع میں اس کارروائی کو تفصیل سے سمجھایا گیا ہے۔ اس حصے میں ۳۰ عبارتیں شامل ہیں۔ ہر عبارت کے ساتھ اس کے اہم نکات بھی دیے گئے ہیں جو کہ نہ صرف طلبا بلکہ اساتذہ کے لیے بھی ایک سہولت ہے۔

اساتذہ سے درخواست ہے کہ وہ حصّہ دوم کے اوائل میں دیے گئے نکات اور ہدایات کے ذریعے طلبا کی تلخیص نگاری میں رہنمائی کریں۔ یہی ہدایات تفہیم میں دی گئی ان عبارتوں کے لیے کارآمد ہوں گی جن کی تلخیص کے لیے مشورہ دیا گیا ہے۔

حصّہ دوم کے اختتام پر امتحانی پرچہ نمبر ۲ کی طرز پر مشق بطور نمونہ دی گئی ہے۔ مضمون کے بعد ان کے اہم نکات بھی درج ہیں۔ یہ مشق امتحان کی تیاری کے لیے کارآمد ثابت ہو گی۔ اس کے علاوہ حصّہ اوّل تفہیم میں بھی کچھ عبارتوں کے سوالات کے ساتھ تلخیص بھی شامل کی گئی ہے۔ ان عبارات کو تلخیص کے حوالے سے دوبارہ پڑھا جائے اور کلاس میں طلبا سے ان کے اہم نکات اخذ کروانے کے بعد تلخیص کروائی جائے۔

تلخیص کے لیے ضروری ہے کہ طلبا تحریر کو بغور پڑھیں اور اس سے پانچ یا چھ نکات اخذ کریں جو متن کے معنی اور مقصد کو بیان کرتے ہیں۔ نکات میں تشبیہات اور مثالیں بہت کم شامل کی جائیں ماسوا اس کے کہ وہ کسی اہم حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہوں۔ تلخیص یعنی summary writing انگریزی کی تعلیم و تدریس کا بھی ایک اہم حصّہ ہے۔

حصّہ سوم : مضمون نویسی

مضمون نویسی امتحانی پرچہ نمبر ا کا اہم سوال ہے۔ اس میں دو قسم کے مضامین تحریر کرنے کی قابلیت جانچی جاتی ہے۔ ایک وہ مضمون جس کے لیے عنوان کے حوالے سے اشارے دیے جاتے ہیں، مثلاً کسی واقعہ کے متعلق لکھنا ہو تو نکات دیے جاتے ہیں کہ واقعہ کا وقت اور جس جگہ یہ واقعہ پیش آیا۔ اس کی وجوہات، اس کے نتائج اور اس واقعہ اور اس کے انجام کے متعلق مختصر رائے تحریر کی جائے۔

دوسری طرز مضامین کی وہ ہے جس میں چار یا پانچ عنوانات دیے جاتے ہیں۔ جہاں طلبا کو اپنی دلچسپی اور پسند کے مطابق انتخاب کی آزادی ہوتی ہے۔ دونوں صورتوں میں الفاظ کی حد معین ہے۔ جیسا کہ درسی کتاب میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ مضمون نگاری پر عبور حاصل کرنے کے لیے مسلسل مشق ضروری ہے۔ اس رہنمائے اساتذہ میں او لیول نصاب سے وہ نکات دیے جا رہے ہیں جو تحریر کے معیار اور طلبا کو حاصل ہونے والے نمبروں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ درسی کتاب میں نئے نصاب کے مطابق آزاد مضمون اور ہدایات یا اشاروں کے مطابق مضمون کے نمونے بھی دیے گئے ہیں اور مشق کے لیے عنوانات بھی۔ اساتذہ کے لیے مزید عنوانات تجویز کیے جا رہے ہیں۔ ان پر طلبا سے گفتگو کر کے عنوان کے متعلق موزوں نکات جمع کریں اور کلاس میں بورڈ پر درج کریں۔ پھر انھیں مضمون کے تعارف، تمہید اور اختتام کے حوالے سے ترتیب دیں اور پھر طلبا سے مضمون لکھوائیں۔ مضمون نگاری وقت طلب کام ہے۔ اس کے لیے لگا تار دو پیریڈ مختص کرنے کی ضرورت ہے۔

ا۔ عنوانات برائے مضامین: جو ہدایات کے ساتھ لکھے جائیں۔

۲۔ حقائق پر مبنی عنوانات: فلاحی کام اور سماجی بہبود کے شعبوں میں پیش رفت کرنے والی شخصیات اور اداروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں، مثلاً عبدالستار ایدھی یا ایدھی فاؤنڈیشن، دی سٹیزنز فاؤنڈیشن (TCF) جو پسماندہ طبقوں کے لیے معیاری تعلیم فراہم کر رہی ہے، ڈاکٹر رُوتھ فاؤ جنھوں نے پاکستان سے جذام جیسے مرض کے خاتمے کے لیے کام کیا، ڈاکٹر ادیب رضوی جو SIUT کے بانی اور اس کے روح رواں ہیں، پروین سعید اور کھانا گھر، شبینہ مصطفی اور ان کا گیراج اسکول چند مثالیں ہیں۔

ان مضامین کے لیے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(i) اس کام کی ابتدا کا پس منظر۔

(ii) اسے تشکیل دینے اور کارآمد بنانے کے مراحل۔

(iii) اس کام میں کیا سہولتیں اور مشکلات پیش آئیں۔

(iv) اس سے مستفید ہونے والوں کے تاثرات۔

اسی طرح تاریخ پر مبنی واقعات اور شخصیات میں سے کسی شخصیت یا واقعے کا انتخاب کیا جائے۔ اس کے لیے طلبا کی رہنمائی کیجیے کہ وہ تاریخ اور مطالعہ پاکستان (Pakistan Studies) میں جو پڑھتے ہیں ان میں انتخاب کریں اور حسبِ ہدایت اہم نکات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مضمون ترتیب دیں۔

اس صنفِ تحریر کے لیے اہم نکات کچھ یوں ہو سکتے ہیں۔

(i) منتخب شخصیت یا واقعے کا مختصر تعارف

(ii) وجہِ شہرت

(iii) ان کے کارنامے کے متعلق کچھ تفصیل

(iv) اس واقعہ یا شخصیت کے ردِعمل کے نتائج

(v) وہ شخصیت یا واقعہ کس حد تک کامیاب ہے۔

حقائق پر مبنی واقعات میں ایجادات بھی شامل ہیں۔ خصوصاً ایسی ایجادات جن سے ہمارا طرزِ زندگی عالمی سطح پر متاثر ہوا ہے۔ انٹرنیٹ، موبائل فون اور اس کی مختلف اقسام، خلائی تحقیق، سائنسی دریافت اور تجربے مثلاً کلونگ (Cloning) کچھ عنوانات ہیں۔ اس طرزِ تحریر کے علاوہ بطور بحث بھی عنوانات دیے جا سکتے ہیں جن میں کسی ایک ایجاد یا کارروائی کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر نظر ڈال کر طلبا اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ آزاد طرزِ تحریر میں عموماً چار عنوانات میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے اس پر طلبا اپنے نقطۂ نظر سے تحریر کر سکتے ہیں۔

تمام صورتوں میں جملہ الفاظ کی پابندی اور وقت کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ امتحان میں کامیابی سے یہ سوال مکمل کرنے کے لیے پیشگی مشق کرنا ایک اہم ضرورت ہے۔ اس حوالے سے مزید کچھ عنوانات دیے جا رہے ہیں تاکہ اساتذہ اس صنف میں طلبا سے مضامین تحریر کرواسکیں۔

مختلف عنوانات :

(i) موبائل فون کے فوائد و نقصانات۔

(ii) انٹرنیٹ پر ملنے والی معلومات کس قدر درست ہوتی ہیں؟

(iii) دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی اور گھٹتے ہوئے وسائل۔

(iv) کیا کسی مقبول کتاب پر مبنی فلم اس کی صحیح عکاسی کرتی ہے؟

(v) ہماری غذا اور سائنسی ترقی ۔ ہم کیا کھا رہے ہیں؟

(vi) کسی پس ماندہ ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے تین طریقے بتائیے۔

(vii) آج کل بچّوں کے لیے تیار کردہ کارٹوں میں تشدد کیوں دکھایا جاتا ہے؟

(viii) میرا پسندیدہ مشغلہ۔

(ix) اگر آپ کو مفت سفر کرنے کا انعام ملے تو آپ کہاں جانا چاہیں گے اور کیوں؟

(x) ایک یادگار سفر۔ (سفر کے یادگار ہونے کی وجہ بتائیے)

(xi) اکیسویں صدی کی زندگی میں مردوں کو امور خانہ داری (House keeping) اور خواتین کو ٹیکنالوجی پر عبور ہونا چاہیے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

(xii) پیشہ اور مشغلہ: ان الفاظ کے کیا معنی ہیں اور ہم کس طرح ان دونوں کاموں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

(xiii) اگر آپ تاریخ کے کسی دور میں جا سکتے ہیں تو آپ کس زمانے اور کہاں جانا چاہیں گے؟

(xiv) انٹرنیٹ ایک انعام ہے یا آفت؟ وجوہات بتاتے ہوئے اپنی رائے دیں۔

(xv) ہم اپنے شہر، اپنے ملک سے محبت اور وفاداری کا کیسے اظہار کر سکتے ہیں؟

(xvi) ہم اپنے معاشرے کے عمر رسیدہ افراد کی خصوصاً جن کے وسائل کم ہیں، کس طرح مدد کر سکتے ہیں؟

(xvii) ایک شخصیت جس نے آپ کو بہت متاثر کیا اور آپ کے لیے مشعلِ راہ بنی۔

(xviii) کیا بیسویں اور اکیسویں صدی پچھلی صدیوں سے زیادہ پُر امن رہی ہیں؟ آپ کی کیا رائے ہے؟

(xix) دورِ حاضر اور اقدار۔ کیا وقت کے ساتھ اقدار بدلتی ہیں؟

حصّہ چہارم : خط ، رپورٹ ، مکالمہ اور تقریر نگاری

اس حوالے سے درسی کتاب میں اہم نکات کے ساتھ ان مختلف اصناف کے تیار نمونے بھی شامل ہیں اور ہر صنف کے لیے کم از کم ۲۵ تا ۳۰ موضوعات دیے گئے ہیں۔ اگر اساتذہ ان موضوعات پر طلبا سے گفتگو کر کے اہم نکات کی نشاندہی کر لیں تو اس مشق کے بعد طلبا کو مناسب اور معیاری خطوط، رپورٹ، مکالمے اور تقریر نگاری پر عبور حاصل ہو سکتا ہے۔ رہنما میں اساتذہ کے لیے جو تجاویز شامل کی گئی ہیں وہ دورانِ تدریس میں معاون و مددگار ثابت ہوں گی۔

(الف) خط نویسی

خط نویسی زندگی کی ایک اہم ضرورت ہونے کے حوالے سے ، زبان کی تدریس اور امتحانی پرچوں میں روایتی مقام رکھتی ہے۔ درسی کتاب میں خط نویسی سے متعلق کارآمد مشورے اور ہدایات دی گئی ہیں۔ خطوط کی دو مکمل مثالیں بھی بطور نمونہ دی گئی ہیں۔

خطوط کے لیے مختلف موضوعات بھی شامل کیے گئے ہیں تا کہ طلبا کو موضوع کے مطابق مواد تحریر کرنے اور شستہ زبان کے استعمال کی مشق ہو سکے۔ اس وقت جبکہ دنیا کا زیادہ تر کاروبار انگریزی میں ہو رہا ہے اور ٹیلی فون اور کمپیوٹر نے رابطے کی وضع اور شکل تبدیل کر دی ہے ،تو اُردو میں خط لکھوانا استاد کے لیے ایک چیلنج سے کم نہیں۔ کامیاب اساتذہ یقیناً تدریس کے ایسے طریقے اپنائیں گے جو طلبا کے لیے اور خود اساتذہ کے لیے شوق اور آسانی کا باعث ہوں۔

طلبا کو مرزا غالبؔ اور اُردو کے دیگر اُدبا کے خطوط کے بارے میں معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں۔

(ب) رپورٹ نگاری

یہ او لیول اُردو کے پرچے کا ایک اہم اور روایتی حصّہ ہے۔ اس میں دیے گئے موضوعات یا صورتحال پر رپورٹ تیار کی جاتی ہے۔ اس تحریر میں حقائق کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے اور رپورٹ انھی دیے گئے حقائق پر مبنی اور الفاظ کی معیّنہ حد کے اندر ہوتی ہے۔ طلبا کی کتاب میں دو مکمل مثالیں دی گئی ہیں۔ مشق کے لیے ۲۰ موضوعات دیے گئے ہیں۔

موضوعات کی مناسبت سے اساتذہ پہلے ان پر اشارے مرتب کریں اور ان اشاروں کے خاکے کی مدد سے رپورٹ لکھوائیں۔ ان کے علاوہ اساتذہ اور طلبا مزید موضوعات تجویز کر کے ان پر اشارے مرتب کر سکتے ہیں اور پھر رپورٹ لکھی جا سکتی ہے۔

(ج) مکالمہ نویسی

اس صنفِ تحریر کے ذریعے طلبا تقریری زبان کا استعمال اور الفاظ کی وضاحت سیکھیں گے۔ تحریری اور تقریری زبان میں فرق اور شائستہ زبان کا استعمال بھی سمجھ میں آئے گا۔ اس کے علاوہ مکالمہ نویسی کے ذریعے انٹرویو بھی تحریر کیے جا سکتے ہیں۔ طلبا

(اور اساتذہ) کی رہنمائی کے لیے دو مکمل مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ اساتذہ یہ کام طلبا جوڑی کی صورت میں کرواسکتے ہیں جس سے دلچسپی بھی بڑھے گی اور شوق بھی۔

(د) تقریر نگاری

تقریر نگاری ایک مشکل فن ہے جس میں مسلسل مشق کے بغیر مہارت ممکن نہیں۔ او لیول سلیبس کے مطابق نصابی کتاب میں اس صنفِ تحریر کی دو مکمل مثالیں دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اشاروں پر مبنی ایک اور مثال بھی طلبا کی کتاب میں موجود ہے۔ مشق کے لیے ۲۰ عنوانات تجویز کیے گئے ہیں۔

تقریر نویسی کے چند عنوانات ایسے ہیں جو زیرِ بحث آسکتے ہیں مثلاً عنوان نمبر ۶ اور ۱۱۔ طلبا کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اس موضوع کے خلاف لکھیں یا اس کے حق میں لکھیں۔

مجموعی طور پر جن موضوعات کا انتخاب کیا گیا ہے وہ تعلیمی بھی ہیں اور تفریحی بھی۔ اسی طرز پر اساتذہ مزید عنوانات تجویز کرسکتے ہیں اور اشاروں کی مدد سے تقریر نگاری کرواسکتے ہیں۔ مزید براں اساتذہ طلبا کو دنیا کے کچھ مشہور مقررین کے بارے میں بھی بتا سکتے ہیں، جنھیں تقریر کے فن میں کمال حاصل تھا مثلاً نواب بہادر یار جنگ، سردار عبدالرب نشتر، ذوالفقار علی بھٹو، ابراہام لنکن اور سرونسٹن چرچل۔ طلبا کے درمیان تقریری مقابلے کروائیں۔

حصّہ پنجم : عبارات برائے ترجمہ ''انگریزی سے اُردو''

او لیول کے پرچوں میں عموماً دو طرح کی عبارتیں ترجمے کے لیے دی جاتی ہیں۔ ایک ایسی تحریر جو حقائق اور اعداد و شمار پر مبنی ہو اور جس کا ترجمہ لفظ بہ لفظ کیا جاتا ہے یعنی اس میں کوئی ردّوبدل نہیں کیا جاتا۔

دوسری تحریر ایسی ہوتی ہے جس میں اظہارِ رائے یا خیال ہو، یا انفرادی نقطۂ نظر سے کسی واقعہ کو پیش کیا گیا ہو۔ اس صورت میں ترجمہ اس عبارت کے مفہوم کو پیش کرتا ہے یا اس کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس طرح کی عبارت کا لفظی ترجمہ مناسب نہیں ہوتا۔

او لیول اُردو کی اس نصابی کتاب میں بھی ترجمہ کی مشق کے لیے ایسی ہی عبارتوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ طلبا کی سہولت کے لیے مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی دی گئی ہے جس میں الفاظ کے معنی ان عبارتوں میں استعمال کے لحاظ سے موزوں ہیں۔

درسی کتاب میں بطور نمونہ دو مختصر عبارتوں کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

رہنما میں مثال کے طور پر نصابی کتاب میں دی گئی چند لفظی اور چند معنوی عبارتوں کا ترجمہ دیا جا رہا ہے تاکہ اساتذہ کے لیے کچھ سہولت ہو۔

لفظی ترجمہ

عبارت نمبر ۱۷: کاغذ کا موجد، تسائی لن، چین کے شاہی دربار کا ایک افسر تھا۔ جس نے ۱۰۵ء میں بادشاہ ہوتائی کو کاغذ کا نمونہ پیش کیا۔ بادشاہ، تسائی لن کی ایجادات بہت خوش ہوا جس کے نتیجے میں تسائی لن کی ترقی ہوئی اور وہ مالدار ہو گیا۔ دوسری صدی میں چین میں کاغذ کا استعمال عام ہو گیا اور چند صدیوں میں چینی ایشیا کے دوسرے ممالک کو کاغذ برآمد کر رہے تھے۔ ایک طویل عرصے تک چینیوں نے کاغذ بنانے کی ترکیب کو راز میں رکھا۔ مگر ۷۵۱ء میں کچھ کاغذ بنانے والے چینیوں کو عربوں نے گرفتار کر لیا اور جلد ہی سمرقند اور بغداد میں کاغذ کی صنعت قائم ہو گئی۔ کاغذ بنانے کا ہنر رفتہ رفتہ عرب دنیا میں پھیلتا گیا۔ بارھویں صدی میں یورپیوں نے عربوں سے یہ ہنر سیکھ لیا۔

عبارت نمبر ۲۲ : منگول قوم کا سربراہ تعینات ہونے کے بعد تیمور نے بارہ بنیادی اصول قائم کیے جو بطور حاکم اس کی رہنمائی کرتے تھے۔ ان میں سے چند اصول یوں ہیں:

۱۔ سب کے ساتھ انصاف کرو۔
۲۔ سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز کرو۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تابعداری کرو۔
۴۔ سب کے لیے ہمدرد اور مددگار رہو۔
۵۔ اللہ کی طرف جو فرائض ہیں انھیں ہر کام پر ترجیح دو۔

۶۔ اپنے تمام کاموں میں سچے اور دیانتدار رہو۔
۷۔ اپنے وعدے ہمیشہ پورے کرو۔
۸۔ خود کو ہمیشہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے خزانچی/امین سے زیادہ نہ سمجھو۔
۹۔ اللہ کی اطاعت اور تسلیم کے معنی ہیں کہ رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرو۔
۱۰۔ اس سلطنت کا دین اسلام ہے اور دین کی مدد کے بغیر بادشاہت کی تکمیل نہیں ہوتی۔

عبارت نمبر ۳۷ : ۲۱ جولائی ۱۹۶۹ء کو جب نیل آرمسٹرانگ نے چاند پر قدم رکھا تو یہ دن تمام انسانیت کے لیے تاریخی اہمیت رکھتا تھا۔ اس واقعے پر جو کہ ٹی وی اور ریڈیو پر دیکھا اور سنا جا رہا تھا، دنیا بھر کے لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ لیکن اس زبردست کارنامے کے ابتدائی اقدامات مئی ۱۹۶۱ء میں اُٹھائے گئے تھے جب صدر کینیڈی نے امریکی عوام سے وعدہ کیا تھا کہ دس سال کے اندر چاند کی طرف انسانی پرواز ہو جائے گی۔ اگرچہ صدر کینیڈی کا ۱۹۶۳ء میں انتقال ہو گیا مگر خلائی پرواز پر کام جاری رکھا گیا حتیٰ کہ یہ یادگار دن آ گیا۔ خلا باز ۲۴ جولائی کو بخیریت زمین پر واپس آئے اور صدر نکسن نے انھیں خوش آمدید کہا۔ وہ لوگ تمام انسانیت کے لیے ہیرو تھے۔

معنوی ترجمہ

عبارت نمبر ۲۷ : نبیل اور سلیم جڑواں بھائی ہیں جن کی عمر تقریباً آٹھ یا نو سال ہے۔ دونوں ایک دوسرے کا عکس نظر آتے ہیں کیونکہ ان کے نقوش قد و جسامت سب یکساں ہیں۔ ان کا خاندان ہمارے آبائی گاؤں ہی سے آیا ہے/تعلق رکھتا ہے۔ ان کے والد شہروں کے درمیان چلنے والی بسوں کے ڈرائیور کا کام کرتے ہیں لہٰذا میرے والدین نے ان بچّوں کی تعلیم کی ذمّہ داری سنبھال لی ہے۔ یہ بچّے اپنی والدہ کے ساتھ ہمارے گھر کے بیرونی حصے میں رہتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہی اسکول جاتے ہیں۔ یہ بڑے ذہین اور خوش شکل بچّے ہیں۔ جب لوگ ان کو پہچاننے میں بوکھلا جاتے ہیں تو یہ بہت محظوظ ہوتے ہیں۔

عبارت نمبر ۶: انگریزوں نے برصغیر کو انگریزی زبان دی جو کہ مشترکہ بندھن بن گئی۔ انھوں نے ہمیں کرکٹ کا کھیل بھی دیا جو بہت مقبول ہوا۔ ان سب سے بڑھ کر انھوں نے برصغیر کو ریلوے کا نظام دیا، ایک بڑا اور پھیلا ہوا جال جو اس وسیع و عریض خطے کو ریل گاڑیوں کے ذریعے جوڑتا ہے اور جس سے انسانوں اور مال کی آمد و رفت ہوتی تھی۔

ریلوے اسٹیشن پر سب سے پہلے رابطہ قلیوں سے ہوتا تھا۔ وہ اپنی لال/سرخ قمیصوں اور پگڑیوں سے فوراً پہچانے جاتے تھے، جو کہ مسلسل ایک چیل کی طرح شکار کی تلاش میں رہتے، ان مسافروں پر نظر رکھتے جو اپنے ساز و سامان کے ساتھ آتے۔ وہ جھپٹ کر ان کے ٹین کے صندوق، بوریا بستر اور ٹوکریاں سب اُٹھا لیتے اور تیزی سے نکل جاتے۔ مسافروں کو تیز رفتاری سے ان کا پیچھا/تعاقب کرنا پڑتا کہ نجانے وہ کہاں غائب ہو جائیں۔ قلی ریلوے اسٹیشن پر شاید سب سے زیادہ معلومات رکھنے والا شخص ہوتا تھا، اسٹیشن ماسٹر کی طرح باخبر کیونکہ وہ روزانہ آنے جانے والی ریل گاڑیوں کے اوقات، کس سمت سے اور کہاں کہاں آتی جاتی ہیں، اور ان کا پلیٹ فارم نمبر، سب کچھ جانتے تھے۔

امتحانی پرچہ نمبر ۱ کی طرز پر نمونہ (برائے ترجمہ)

لاہور فتح کرنے کے بعد بابر نے اپنی فوج کے ساتھ سلطان ابراہیم لودھی کی بادشاہی کا خاتمہ کرنے کی غرض سے دہلی کا رخ کیا۔ پانی پت پہنچنے پر بابر نے اپنی فوج کو منظم کیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی فوج میں کل ۱۵۰۰۰ آدمی تھے جن میں سے صرف آدھی تعداد ایسی تھی جو حملہ کرنے کے قابل تھی۔ لیکن بابر ایک باصلاحیت سپہ سالار تھا جس نے ازبکوں کے خلاف جنگوں سے بڑی کارآمد چالیں سیکھی تھیں، اور اس کے ساتھ دو ترکی ماہرین تھے جنھیں جنگ میں توپ کے استعمال کا تجربہ تھا۔ یورپ میں توپ ایک جانا پہچانا جنگی اسلحہ تھی مگر برصغیر میں نہیں، جہاں تیر اندازوں کو فوج کی طاقت سمجھا جاتا تھا۔ بابر کو جنگی اسلحے اور گولا بارود سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے حکم دیا کہ تمام سات سو چھکڑوں کو چمڑے کی مضبوط رسی سے باندھ کر ایک دفاعی صف بندی کی شکل دی جائے۔ بندوق اور توپ چلانے والوں نے ڈھالوں کے پیچھے محفوظ ہو کر ان چھکڑوں کے درمیان اپنی جگہ سنبھالی۔ ان کے پیچھے گھڑ سوار اور تیر انداز تھے۔ پہلے تو ابراہیم لودھی ایک لاکھ کی فوج اور سیکڑوں ہاتھی رکھتے ہوئے جنگ کرنے میں پس و پیش کرتا رہا لیکن ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کی صبح اس نے حملہ کر دیا۔ بابر نے جوابی حملے میں توپیں اور بندوقیں چلائیں۔ ان کی گرج سے گھبرا کر لودھی کی فوج کے ہاتھیوں نے بھگدڑ مچا دی اور مزید حملہ ناممکن ہو گیا۔ بہت جلد ہی ابراہیم لودھی کی افواج ہر طرف سے گھر گئیں اور مغل سپاہ نے انھیں تباہ کر دیا اور بابر نے جنگ جیت لی۔

حصہّ ششم : زبان کا استعمال

(الف) Cloze passage یعنی نامکمل عبارات۔

cloze عبارات میں چند الفاظ کو عبارت سے اخذ کرکے علیحدہ فہرست میں دیا جاتا ہے جس کی ترتیب عبارت سے مختلف ہوتی ہے۔ خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کرنے میں طلبا کو زبان اور الفاظ کے استعمال کی مشق ہوتی ہے۔

دی گئی عبارات کے علاوہ اساتذہ خود بھی cloze عبارات تیار کرسکتے ہیں۔ ان میں الفاظ اخذ کرنے کے مختلف انداز/نمونے اپنائے جاسکتے ہیں، مثلاً صرف اسمِ صفت (adjectives) یا فعل (verbs) یا اسم (noun) یا ہر پانچواں لفظ وغیرہ۔

او لیول کے پرچے میں دی جانے والی عبارت کے ساتھ فہرستِ الفاظ میں اضافی الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس نمونے پر بھی مشق کرائی جاسکتی ہے۔

جوابات برائے cloze مشق

ہر عبارت کے بعد اس میں استعمال کیے جانے والے الفاظ کی فہرست دی گئی ہے مگر ترتیب کو بدل کر۔ اس حصّے میں طلبا اور اساتذہ کی سہولت کے لیے عبارتوں میں استعمال کی ترتیب کے لحاظ سے الفاظ دیے گئے ہیں۔

عبارت نمبر۱: (۱) اُردو (۲) سرکاری (۳) دیا گیا (۴) قدم (۵) تعلیم یافتہ (۶) عبور (۷) ممالک (۸) سربراہان (۹) بیرون ملک (۱۰) تقاریر (۱۱) قومی

عبارت نمبر۲: (۱) خصوصیت (۲) الفاظ (۳) جذب (۴) ادوار (۵) خطے (۶) زبانوں (۷) ادھار (۸) اصطلاحات (۹) نشانی

عبارت نمبر۳: (۱) مشہور (۲) تاریخ (۳) وطن (۴) روشن (۵) عمر (۶) عالمی (۷) شرکت (۸) آغاز (۹) خلاف (۱۰) مظاہرہ (۱۱) قائم (۱۲) خطاب

عبارت نمبر۴: (۱) بے مثال (۲) انقلاب (۳) قلیل (۴) جہالت (۵) افراد (۶) علوم وفنون (۷) ماہرین (۸) معاشرے (۹) زمانہ وسطیٰ (۱۰) ترقی (۱۱) مرہون منت (۱۲) روشنی (۱۳) سائنس دانوں (۱۴) ہستیاں (۱۵) فیض یاب (۱۶) اجنبی

عبارت نمبر۵: (۱) معیاری (۲) نسبت (۳) اساتذہ (۴) مقبولیت (۵) مقابلہ (۶) مادری (۷) ذریعہ (۸) دستیاب (۹) مقامی (۱۰) مطالعہ (۱۱) نوجوانوں (۱۲) دلچسپی (۱۳) حکومت (۱۴) جدوجہد

عبارت نمبر۶: (۱) پھیلی (۲) تپش (۳) ڈھل رہی (۴) کندھوں (۵) ہانکتے (۶) سمت (۷) چراگاہوں (۸) ٹوکریاں (۹) مٹی (۱۰) تازہ (۱۱) تیار (۱۲) غبار (۱۳) غروب (۱۴) مغرب

عبارت نمبر ۷: (۱) معنی (۲) پھیلانا (۳) اخبارات (۴) ذرائع ابلاغ (۵) تقریب (۶) ڈھول (۷) آواز (۸) سرکس (۹) آمد (۱۰) صنعت (۱۱) اداروں (۱۲) مضمون

عبارت نمبر۸: (۱) طالب علم (۲) دریافت (۳) وابستہ (۴) معلوم (۵) بنیاد (۶) مسلمان (۷) عالموں (۸) ماضی (۹) علوم (۱۰) تجزیے (۱۱) ایجادات (۱۲) مہارت

عبارت نمبر۹: (۱) کائنات (۲) غوروفکر (۳) دلچسپ (۴) تاریخ (۵) کوشش (۶) سائنس دانوں (۷) زندگی (۸) سورج گرہن (۹) تفصیلی (۱۰) تختی

عبارت نمبر۱۰: (۱) دنیا (۲) ممالک (۳) مقابلہ (۴) بلکہ (۵) وسائل (۶) آبادی (۷) ضروریات (۸) سبب (۹) معلومات (۱۰) اضافہ (۱۱) تنگی (۱۲) مختلف (۱۳) برداشت (۱۴) تہذیب (۱۵) خلاف

عبارت نمبر۱۱: (۱) حقیقت (۲) خواہش (۳) خطرناک (۴) کامیابی (۵) تجربہ (۶) ضرورت (۷) آزادی (۸) انسان (۹) پرواز (۱۰) یونان (۱۱) قصوں (۱۲) عباس ابن فرناس (۱۳) زمین (۱۴) زخمی

عبارت نمبر ۱۲: (۱) غیر معمولی (۲) حقوق (۳) انتہائی (۴) بے زبان (۵) خصوصاً (۶) خوراک (۷) انتظام (۸) کراچی (۹) شخصیت (۱۰) جانوروں (۱۱) خلاف (۱۲) قائم (۱۳) انتقال (۱۴) معزز (۱۵) خراجِ عقیدت

عبارت نمبر ۱۳: (۱) دنیا (۲) تاریخ (۳) کم (۴) نقشہ (۵) دونوں (۶) برصغیر (۷) رہنما (۸) جدوجہد (۹) آزاد (۱۰) شخصیت (۱۱) مثال (۱۲) مینار

عبارت نمبر ۱۴: (۱) شخصیت (۲) مذہب (۳) تعصب (۴) ناپسند (۵) خلاف (۶) انسانیت (۷) شخص (۸) محترم (۹) شرافت (۱۰) مثال (۱۱) خوش مزاج (۱۲) واضح

عبارت نمبر ۱۵: (۱) پیدائش (۲) کراچی (۳) معمولی (۴) بہن (۵) بچپن (۶) کم (۷) زیادہ (۸) جلد (۹) توجہ (۱۰) میٹرک (۱۱) اعلیٰ (۱۲) لندن (۱۳) وکالت (۱۴) وطن (۱۵) شروع

عبارت نمبر ۱۶: (۱) قریب (۲) پیدا (۳) میٹرک (۴) زیادہ (۵) پنجاب (۶) ریکارڈ (۷) مزید (۸) یونیورسٹی (۹) سند (۱۰) اعلیٰ (۱۱) کیمبرج (۱۲) سرخرو (۱۳) مکمل (۱۴) بین الاقوامی (۱۵) درس و تدریس (۱۶) انجام (۱۷) کارکردگی (۱۸) انعام (۱۹) رقم (۲۰) اداروں (۲۱) سرکاری (۲۲) مرکز

عبارت نمبر ۱۷: (۱) تعلق (۲) نیشا پور (۳) دکان (۴) عطر (۵) علاج (۶) ممالک (۷) دورہ (۸) واپسی (۹) شروع (۱۰) مشہور (۱۱) گفتگو (۱۲) بظاہر (۱۳) فلسفہ (۱۴) انسان (۱۵) قریب (۱۶) مرحلوں

عبارت نمبر ۱۸: (۱) بڑھتے (۲) طلسماتی (۳) ہمیں (۴) اجنبی (۵) ماضی (۶) مستقبل (۷) لوگوں (۸) مخلوق (۹) کہانی (۱۰) سوچ (۱۱) تبدیلی (۱۲) تہذیب (۱۳) روایتی (۱۴) عمدہ (۱۵) ترجمہ

عبارت نمبر ۱۹: (۱) قالین سازی (۲) معیشت (۳) توجہ (۴) علاقے (۵) خصوصی (۶) مقامی (۷) استعمال (۸) شہروں (۹) بیرون ملک (۱۰) فروخت (۱۱) ہنر مند (۱۲) افراد (۱۳) دستکاری (۱۴) تانبے (۱۵) مصنوعات (۱۶) گھریلو (۱۷) تیار

عبارت نمبر ۲۰: (۱) گردش (۲) طے (۳) حرارت (۴) غروب (۵) بکھرے (۶) علامتوں (۷) تجسّس (۸) غوروفکر (۹) مشاہدے (۱۰) فلکیات (۱۱) کیفیات (۱۲) وقت

عبارت نمبر ۲۱: (۱) تاریخوں (۲) جنتریاں (۳) وقت (۴) شمسی (۵) اسلامی (۶) چاند (۷) مطابق (۸) فرق (۹) عموماً (۱۰) ریاضی (۱۱) کمپیوٹر (۱۲) باعث (۱۳) درست (۱۴) زمانہ (۱۵) قبیلے (۱۶) ترقی (۱۷) لحاظ (۱۸) ثابت

امتحانی پرچے کا نمونہ

Paper 1

Part 1: Directed Writing

Write an article in response to the instructions given below. Your article should be about 150 words and should include the points given below. (15 marks)

اسکول کے سالانہ رسالے کے لیے انٹرنیٹ کے استعمال پر مضمون لکھنا ہے۔ اس مضمون میں درج ذیل نکات پر توجہ دیں۔

- انٹرنیٹ کے فوائد [3]
- انٹرنیٹ کے نقصانات [3]
- اس سلسلے میں آپ کی اپنی رائے [2]
- زبان کا استعمال اور لکھنے کا معیار [7]

Part 2: Letter, Report, Dialogue, Speech

From a choice of two topics, select any one of them to write a dialogue of about 200 words. (20 marks)

(a) اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ کن مضامین کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں اور کیوں؟ اپنے دوست کے ساتھ اس پر مکالمہ لکھیں۔

or

(b) دو دوست گرمی کی چھٹیوں/تعطیلات کے لیے منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ان کے درمیان ہونے والا مکالمہ لکھیے۔

Part 3: Translation

Translate the passage given below into Urdu. (20 marks)

Most students find geography an uninteresting and boring subject. Interest in a subject is created by the way it is taught. I had the good fortune to have a very good geography teacher who made the subject come alive. We were taught not only about the earth's physical features such as mountains, rivers, lakes and desert, etc. and about climate but also about different countries and what was special about them. We were not only taught map-reading but also taught map-making and labelling. The topic I enjoyed most was group work in which we planned jaurneys from out country to any other country of our choice, giving all the details of distance, mode of travel, and what we would see in the other country.

Paper 2

Part 1: Language usage

نیچے دیے گئے محاوروں کو اپنے جملوں میں یوں استعمال کیجیے کہ ان کے معنی واضح ہوں۔

۱۔ منھ توڑ جواب دینا ______________________ [1]

____

۲۔ چولی دامن کا ساتھ ہونا ______________________ [1]

____

۳۔ چراغ تلے اندھیرا ہونا ______________________ [1]

____

۴۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانا ______________________ [1]

____

۵۔ کان بھرنا ______________________ [1]

____

[Total: 5]

مندرجہ ذیل جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کو اس طرح بدل کر لکھیے کہ جملے کا مفہوم اُلٹا ہو جائے۔

مثال : رات کو اتنی سردی تھی کہ ہم ٹھٹھر رہے تھے۔
رات کو اتنی گرمی تھی کہ ہم پگھل رہے تھے۔

۶۔ کل رات دعوت میں کھانا اتنا لذیذ تھا کہ میں نے کچھ زیادہ کھا لیا۔

[1] ______________________

____

۷۔ گرمی کے موسم میں دن طویل ہو جاتے ہیں۔

[1] ______________________

____

۸۔ جو ملک تعلیم پر توجہ دیتے ہیں وہ ترقی کرتے ہیں۔

______________________________ [1]

____

۹۔ آپ گھر سے جلدی نکلیں گے تو وقت پر دفتر پہنچیں گے۔

______________________________ [1]

____

۱۰۔ جس کام میں دلچسپی نہ ہو وہ کام مشکل لگتا ہے۔

______________________________ [1]

____

[Total: 5]

Cloze Passage

درج ذیل عبارت میں خالی جگہوں کو نیچے دیے گئے الفاظ سے مناسب الفاظ چن کر پر کیجیے۔ چنے ہوئے الفاظ ۱۱ تا ۱۵ لائنوں پر لکھیے۔

تیز ہوا اور .... کی وجہ سے اُس کچے مکان کی .... ٹپکنے لگی۔ کھڑکی کا .... ٹوٹ گیا اور .... سے تمام سامان بھیگ گیا۔ اس غریب خاندان کا بڑا .... ہوا۔ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵

سیلاب ، جھونپڑی ، نقصان ، دروازہ ، چھت ، طوفان ، اندھیرے ، بارش ، دیواریں ، سیلاب ، شیشہ ، برباد۔

۱۱۔ ______________________________ [1]

۱۲۔ ______________________________ [1]

۱۳۔ ______________________________ [1]

۱۴۔ ______________________________ [1]

۱۵۔ ______________________________ [1]

[Total: 5]

Part 2: Summary

۱۶۔ مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھ کر دیے گئے اشاروں کی مدد سے ۱۰۰ الفاظ میں اس کا خلاصہ لکھیے۔ خلاصہ آپ کے الفاظ میں ہونا چاہیے۔

اخبار''یعنی خبر کی جمع'' وہ اشاعت ہے جس کا تعلیم یافتہ معاشرے میں واضح مقام ہے۔ صبح صبح کئی گھروں میں اخبار والے اخبار ڈال کر جاتے ہیں۔ یہ قومی ، علاقائی زبانوں میں اور انگریزی زبان میں ہوتے ہیں۔ اخبار پڑھنا ہماری زندگی کا معمول بن گیا ہے کہ صبح کا آغاز تازہ خبروں سے ہوتا ہے۔ لیکن اخبار کی ایجاد کب ، کہاں اور کیسے ہوئی ، یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلا اخبار روم کے سربراہ جولیس سیزر (Julies Ceasar) کے حکم پر ۵۹ قبل مسیح میں منظر عام پر آیا۔ اس زمانے میں کاغذ نہیں تھا تو اہم اعلانات دھات کی چادر یا پھر مٹی یا پتھر کی تختی پر کوندے جاتے تھے۔ یہ محنت روزانہ تو نہیں ہوتی تھی بلکہ صرف خاص موقعوں پر کی جاتی تھی۔ پھر چین میں کاغذ بنانے کا فن عام ہونے لگا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب عرب فوجیں چین کی مغربی سرحد پر آ گئیں تو وہاں سے کاغذ بنانے والوں کو اپنے ساتھ لائیں جنھوں نے کاغذ بنانے کا فن خفیہ رکھا تھا۔ اس زمانے میں مصر میں papyrus کا استعمال ہوتا تھا۔ دنیا کو کاغذ سے متعارف کروانے کا سہرا عربوں ہی کے سر ہے۔ انھوں نے کئی کتابیں تیار کرکے کتب خانے بھر دیے۔ اخبار جیسا کہ آج ہم جانتے ہیں سولھویں صدی عیسوی میں چین کی منگ حکومت کے دور میں عام ہوئے۔ کاغذ کا استعمال عام ہونے سے تعلیم یافتہ ممالک میں کتابوں ، رسالوں اور اخباروں کی چھپائی اور اشاعت شروع ہوئی۔ ابتدا میں یہ ہفتہ وار یا ماہانہ ہوتے تھے۔ لیکن اب اخبار ہر زبان میں روزانہ وسیع تعداد میں شائع ہوتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں۔ مگر اخبار کا ایک طاقتور رقیب پیدا ہو گیا ہے ، وہ ہے ٹیکنالوجی۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے کئی ذرائع ہیں مثلاً ٹی وی ، ریڈیو ، کمپیوٹر ، آئی پیڈ ، اسمارٹ فون ، وغیرہ جو دن رات ، ۲۴ گھنٹے دنیا بھر کی خبریں عوام تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اب ''ای پیپر'' بھی ہے یعنی اپنے پسندیدہ اخبار کو آپ کمپیوٹر پر یا اپنے آئی پیڈ پر پڑھ سکتے ہیں۔ اس صورتحال میں کاغذ پر چھپے ہوئے اخباروں کا کیا مستقبل ہے ، یہ سوال قابلِ فکر ہے۔

اشارے :

(a) اخبار کے معنی اور مقام۔
(b) اخبار کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی۔
(c) کاغذ کی ایجاد اور اثر۔
(d) اخبار کی اشاعت کب عام ہوئی۔
(e) موجودہ دور میں اخبار کا مقابلہ کن ذرائع سے ہے۔

Part 3: Comprehension

Passage A

درج ذیل عبارت کو پڑھ کر دیے گئے سوالوں کے جواب اپنے الفاظ میں دیجیے۔

۱۸۸۸ء میں نیلی بلے (Nellie Bly) کے ذہن میں ایک منفرد خیال آیا۔ فرانسیسی ناول نگار جولز ورن (Jules Verns) کی تحریر کردہ ناول ''۸۰ دن میں دنیا کا سفر'' (Around the world in eighty days) کا مرکزی کردار فلیس فوگ (Phileas Fogg) ۸۰ دن میں دنیا کا چکر لگاتا ہے۔ اسی سے ترغیب پا کر نیلی نے ''نیویارک ورلڈ'' کے ایڈیٹر کو تجویز دی کہ کیوں نہ وہ فلیس فوگ کے خیالی سفر کو پہلی بار حقیقت کا روپ دیں۔ چنانچہ ایک سال بعد ۱۴ نومبر کو صبح نو بج کر چالیس منٹ پر نیلی ۲۴ ہزار ۸۹۹ میل کے انوکھے سفر پر روانہ ہوگئیں۔ اس سفر کے لیے وہ اپنی تمام نقدی یعنی دو ہزار انگریزی بینک نوٹ، کچھ امریکی ڈالر، اور کچھ سونا انھوں نے ایک چھوٹے بٹوے میں رکھ کر گردن کے گرد لپیٹ لیا اور مختصر سامان ساتھ رکھا۔

نیویارک کے ایک دوسرے اخبار ''کاسمو پولیٹن'' نے بھی اپنی ایک نامہ نگار ایلزبتھ بیس لینڈ (Elizabeth Bisland) کو اپنے خرچے پر دنیا کے سفر پر روانہ کیا کہ وہ فلیس فوگ اور نیلی بلے دونوں کو شکست دیں۔ ایلزبتھ، نیلی کی مخالف سمت میں سفر کر رہی تھی۔ اس سفر سے دنیا کو باخبر رکھنے کے لیے اور دلچسپی برقرار رکھنے ''دی ورلڈ'' نے ایک مقابلے کا اعلان کیا کہ قارئین نیلی کی اگلی منزل پر پہنچنے کے وقت کے متعلق تکے لگائیں اور جیتنے والوں کو انعامات دیے جائیں گے۔

دنیا کے گرد سفر کے دوران نیلی برطانیہ، فرانس، برندیزی (اٹلی)، نہر سوئز، کولمبو، پینانگ، سنگاپور، ہونگ کونگ اور جاپان گئیں۔ فرانس میں انھوں نے جولز ورن سے ملاقات کی جن کی کہانی سے وہ اس قدر متاثر ہوئی تھیں۔ سفر کے لیے نیلی نے بادبانی کشتیاں اور ریلوے کا نظام استعمال کیا۔ اس وقت سب میرین (Submarine) کیبل نیٹ ورک اور برقی ٹیلی گراف ترقی کر رہے تھے۔ نیلی رابطہ کرنے کے لیے صرف مختصر پیغام ہی بھیج سکتی تھیں اور وہ بھی کئی دنوں کے بعد نیویارک تک پہنچتے تھے۔ ایشیا میں ذرائع نقل وحمل کی تاخیر اور پھر بحر الکاہل کو پار کرنے کے دوران موسم کی خرابی کے باعث نیلی کو مقررہ وقت سے زیادہ وقت لگا۔ اور وہ دو دن کی تاخیر کے بعد ۲۱ جنوری ۱۸۹۰ء کو مغربی امریکا کے شہر سان فرانسسکو پہنچیں۔ نیلی کے اخبار کے مالک نے ان کی گھر واپسی کے لیے خاص طور پر ٹرین کا انتظام کیا اور نیلی ۲۵ جنوری کو اپنے گھر واپس آئیں۔ یوں نیلی بلے نے پہلی بار ۷۲ دن میں دنیا کے گرد سفر کرکے اپنے لیے اعزاز اور شہرت حاصل کی۔

۱۷۔ نیلی بلے نے کیا ارادہ کیا، اور کب؟ [2]

____

____

۱۸۔ نیلی بلے کے اس ارادے کی کیا وجہ تھی ، بتائیے۔ [3]

___

___

___

۱۹۔ دنیا کے گرد چکر لگانے کے دوران نیلی کون سے ممالک سے گزریں؟ [3]

___

___

___

۲۰۔ نیلی نے اپنے گھر اور دفتر سے کیسے رابطہ قائم کیا ؟ کیا وہ طریقہ موثر تھا؟ [2]

___

___

۲۱۔ نیلی نے اس سفر کے لیے کیا ذرائع آمد و رفت استعمال کیے تھے؟ [1]

___

___

۲۲۔ ایلزبتھ کیلینڈ کون تھیں اور اس واقعہ سے ان کا کیا تعلق تھا؟ [2]

___

___

۲۳۔ کیا نیلی بلے اپنی مہم میں کامیاب رہیں؟ تفصیل بتائیے۔ [2]

___

___

[Total: 15]

Passage B

درج ذیل عبارت کو پڑھ کر دیے گئے سوالوں کے جواب اپنے الفاظ میں دیجیے۔

اظفر چچا میرے والد کے قریبی دوست تھے۔ بچپن سے ہم نے دیکھا تھا کہ وہ ہمارے خاندان کے ایک فرد تھے۔ ہر تقریب میں ان کا شامل ہونا لازمی تھا۔ اظفر چچا ہم بھائی بہنوں کی تعلیم اور مستقبل کے منصوبوں میں دلچسپی رکھتے تھے اور کار آمد مشورے بھی دیتے تھے۔ اس کے علاوہ انھیں بڑا شوق تھا کہ عید بقرعید اور یومِ آزادی پر ہم بچّوں کو اپنی پرانی اوپل (Opel) میں بھر کر شہر میں ہونے والا چراغاں دکھانے اور پھر آئس کریم کھلانے لے جایا کرتے تھے۔ یہ وہ مواقع تھے جن کا ہمیں بڑا انتظار رہتا تھا۔ ہم تیار رہتے تھے کہ ان کی گاڑی کا ہارن سنائی دے اور ہم دوڑ کر ان کی گاڑی میں جا بیٹھیں۔ اظفر چچا ہم سب سے بڑی شفقت سے پیش آتے تھے اور ہم بھی ان سے بہت مانوس تھے۔ ایک دن میں نے ابّا سے پوچھا کہ اظفر چچا اپنے خاندان کو ساتھ کیوں نہیں لاتے ،تو ابّا نے بتایا کہ ان کے ساتھ ایک المناک حادثہ ہوا تھا جس میں ان کی بیوی اور بیٹی جاں بحق ہوگئے تھے۔ اظفر چچا خود بھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے تو ان کے کوئی بھائی بہن بھی نہیں تھے۔ ابّا ان کے بچپن کے دوست تھے اور ان سے بھائی جیسا رشتہ تھا۔ وقت گزرتا رہا اور ابّا کے گزر جانے کے بعد بھی میں وقتاً فوقتاً اظفر چچا سے ملتا اور ان کی خیریت لیتا رہتا تھا۔ اظفر چچا گارڈن میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے تھے۔ ایک بار میں ان سے ملنے گیا تو وہ اپنے گرد سامان کا ایک میلہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہ کیا چیزیں تھیں؟ کب اور کہاں سے آئی تھیں؟ کئی عید اور نئے سال کے کارڈ ، کچھ تصویریں اور تصویروں کے البم ، اخباروں اور رسالوں سے جمع کیے ہوئے اقتباسات جن کا کاغذ پیلا ہو چکا تھا ، کرسٹل ، پیتل اور شاید چاندی کی مختلف چیزیں اور نہ جانے اور کیا کچھ۔ ان سب کے بیچ اظفر چچا ناک اور منھ پر رومال باندھے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر کہا ، ارے میاں ، آؤ مگر اپنا خیال رکھو۔ یہاں گرد مٹی بہت ہے۔

’’اظفر چچا ، آخر یہ سب کیا ہے ، آپ کیا کر رہے ہیں؟ یہ خزانہ کہاں سے آیا؟‘‘ میں نے پوچھا۔’’اپنی زندگی سمیٹ رہا ہوں۔ یہاں بکھری ہوئی ہر چیز سے کوئی نہ کوئی یاد وابستہ ہے۔ یادوں کا سرمایہ سمجھ لو۔ مگر میرے بعد ان میں کسے دلچسپی ہوگی۔ ان میں شاید کوئی اہم چیز ، کاغذ بھی ہو۔ اس لیے چھانٹنے بیٹھا ہوں۔‘‘ پھر انھوں نے کہا کہ مجھے جو پسند آئیں وہ چیزیں اُٹھا لوں اور اپنے دوستوں کو بھی بتا دوں اگر انھیں دلچسپی ہو۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ لوگ اتنا کچھ کیوں جمع کر لیتے ہیں۔ اس طرح تو بیکار پرانی چیزوں میں کام کی چیزیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ ہر چیز کے کار آمد ہونے کی بھی ایک مدّت ہوتی ہے جس کے بعد وہ بیکار ہو جاتی ہے۔ اظفر چچا نے اس خزانے کے ساتھ اپنی یادیں بھی سنبھال رکھی تھیں مگر انھیں بھی احساس ہوگیا تھا کہ ان کے سوا کسی اور کو ان چیزوں میں کیا دلچسپی ہوسکتی تھی لہٰذا جو کچھ کسی اور کے کام آئے وہ دے دیں اور جو بیکار ہو اسے ضائع کر دیں۔ یہی سوچتے ہوئے میں نے ’’خدا حافظ‘‘ کہا اور وہاں سے اُٹھ گیا۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

۲۴۔ مصنف کا اظفر صاحب سے کیا رشتہ تھا ؟ [1]

۲۵۔ بچّوں کے ساتھ اظفر صاحب کا رویّہ کیسا تھا؟ اور کیوں؟ [3]

۲۶۔ مصنف کو اظفر صاحب کی کیا باتیں یاد تھیں؟ [2]

۲۷۔ اظفر صاحب کے ساتھ مصنف کا رویّہ کیسا تھا؟ [2]

۲۸۔ اظفر صاحب کے پاس کیا خزانہ تھا؟ [2]

۲۹۔ ان چیزوں کی اظفر صاحب کے لیے کیا اہمیت تھی؟ [2]

۳۰۔ ایسے 'خزانوں' کے متعلق مصنف کی کیا رائے ہے؟ [3]

(Total: 15)